بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

عید کے اہم مسائل

عید اور نمازِ عید کے اہم مسائل
کرفیو اور لاک ڈاؤن کی حالت میں
نمازِ عید کا حکم اور اس کا طریقہ

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان
www.idaraghufran.org

نام کتاب: عید کے اہم مسائل

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

صفحات: 65

فہرست

صفحہ نمبر | مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

آج کل کرونا وائرس کی وجہ سے مختلف ممالک میں لاک ڈاؤن اور کرفیو وغیرہ کی صورتِ حال ہے، سماجی فاصلوں اور دُوریوں کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اجتماع واختلاط سے مجتنِب ومحترز ہیں، یا ان کو اس کی تعلیم وتلقین کی جارہی ہے۔

ایسے حالات میں ماہِ رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہوکر اختتام کے مراحل کے قریب ہے۔

جس کے بعد عیدُ الفطر کا مبارک موقع آرہا ہے۔

بعض احباب کی خواہش پر عید کے اہم مسائل سے متعلق ایک مختصر مضمون بعجلت ترتیب دیا گیا ہے، جس میں مختلف مذاہب ومسالک کے فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں عید اور نمازِ عید کے متعلق چند اہم مسائل کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ موجودہ مخصوص صورتِ حال سے متعلق ایک سوال کا جواب بھی شامل کیا گیا ہے، اور آخر میں دو فتاویٰ بھی شامل کر لیے گئے ہیں، تاکہ موجودہ حالات میں دنیا بھر کے مختلفُ الانواع حالات میں امتِ مسلمہ کو رہنمائی حاصل ہوسکے۔

اور چونکہ موجودہ زمانے میں مسلمان، دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہیں، جہاں کے حالات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے اہم مسائل میں حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال پر بھی اس مضمون میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کی ہر طرح کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان 27/ رمضانُ المبارک/ 1441ھ 21/ مئی/ 2020 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید کے اہم مسائل

''عیدالفطر'' کے معنیٰ

شوال کے مہینہ کے پہلے دن کا آغاز ''عیدالفطر'' کے ساتھ ہوتا ہے، اور ''عیدالفطر'' دو لفظوں کا مجموعہ ہے: (1)......عید (2)......الفطر

اور عیدالفطر کے جملہ میں عید کی نسبت فطر کی طرف ہو رہی ہے۔

فطر کے معنیٰ ''افطار کرنے'' کے ہیں جس سے یہاں مراد روزوں کی فرضیت کے بعد افطار یعنی روزے نہ رکھنے کی اجازت مل جانا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جو روزے رکھنے کی پابندی تھی وہ شوال کے آغاز پر ختم ہوجاتی ہے۔

''عید'' عربی کا لفظ ہے، جس کے عربی میں کئی معنیٰ آتے ہیں۔

ایک معنیٰ خوشی کے ہیں اور کیونکہ عیدین کے دِنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی کا موقع حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو عید کہا جاتا ہے۔

اور عید کے ایک معنیٰ ''عود کرنے اور لوٹنے'' لوٹ کر آنے کے ہیں، اور کیونکہ عید کے دن بندوں کی عبادتوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف انعامات واحسانات کا اعادہ کیا جاتا ہے، مثلاً روزے میں کھانے پینے کی ممانعت کے بعد افطار کی اجازت، صدقۂ فطر کا حکم۔

نیز یہ موقع ہر سال لوٹ کر آتا ہے، اس لیے اس کو ''عید'' کا نام دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اور وجوہات بھی عید کا نام رکھنے کی بیان کی گئی ہیں۔ [1]

---

[1] أى :الفطر والأضحى .قيل :إنما سمى العيد عيدا لأنه يعود كل سنة، وهو مشتق من العود، فقلبت الواو ياء لسكونها وانكسار ما قبلها .وفى الأزهار :كل اجتماع للسرور، فهو عند العرب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عید کی حکمت

ہر قوم اور ملّت میں سال کے کچھ دن زیب وزینت اختیار کرنے اور خوشی کا اظہار کرنے، اور جشن منانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں، جس کا انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے، اور ان دنوں کو عام بول چال میں تہوار کہا جاتا ہے، اور لوگ اپنے اپنے مذہب اور طور وطریقوں کے مطابق ان دنوں کو مناتے ہیں۔

تہوار منانے کے لئے ہر قوم کا مزاج ومذاق، انداز اور طور طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور وہ "خوشی منانا" ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے انسانی فطرت کا تقاضا پورا کرنے کے لیے عبادت کے طور پر عید کا دن مقرر کیا ہے، جس کا طریقہ دوسرے مذاہب سے مختلف اور خالص عبادت اور سنجیدہ خوشی وفرحت پر مشتمل ہے، اور دوسرے مختلف مذاہب اور اقوام میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں سے پاک بھی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عيـد لعود السرور بعوده .وقيل :لأن اللـه تعالى يعود على العباد بالمغفرة والرحمة، ولذا قيل :ليـس العيد لمن لبس الجديد، إنما العيد لمن أمن الوعيد، وجـمـعـه أعيـاد وإن كـان أصلـه الـواو لا اليـاء لـلـزومهـا فـي الواحد، أو للفرق بينـه وبين أعواد الخشب(مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۱۰۶۰ ، كتاب الصلاة ،باب صلاة العيدين)

سـمـي الـعيـد بهذا الاسم لأن الله تعالىٰ فيه عوائد الاحسان اى انواع الاحسان العائدة على عباده فى كـل عـام : منهاالفطر بعد المنع عن الطعام وصدقة الفطر واتمام الحج بطواف الزيارة ولحوم صلاة الـعيـدين سبب التسمية :سـمـي الـعيـد بهـذا الاسـم؛ لأن لـلـه تعالى فيه عوائد الإحسان أي أنواع الإحسـان الـعـائـدة عـلـى عباده في كل عام، منها الفطر بعد المنع عن الطعام وصدقة الفطر، وإتمام الـحج بطواف الزيارة، ولحوم الأضاحي وغيرها؛ ولأن العادة فيه الفرح والسرور والنشاط والحبور غـالبا بسبب ذلك، وأصل معنى (عيد) لغة :عـود، والـعـود هو الرجوع، فهو يعود ويتكرر بالفرح كـل عـامة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲،ص ۱۳۸۶ ،القسم الأول :الـعبادات،الباب الثانى: الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

[1] صلاة العيدين :حكمة مشروعيتها:

الحكمة من مشروعية العيدين :أن كل قوم لهم يوم يتجملون فيه ويخرجون من بيوتهم بزينتهم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا، فَقَالَ: مَا ھٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا: کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ قَدْ أَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا: یَوْمَ الْأَضْحٰی، وَیَوْمَ الْفِطْرِ (سنن ابی داوٗد، رقم الحدیث ۱۱۳۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۲۸۲۷) [1]

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے) دودنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو دنوں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عیدالاضحیٰ کا دن، اور دوسرا عیدالفطر کا دن (ابوداؤد، مسنداحمد)

وہ دو دن جن میں مدینہ کے لوگ کھیل کود کیا کرتے تھے ان کے نام ''نیروز'' اور ''مہرجان'' تھے۔

چنانچہ اسلام نے ان دو دِنوں کے بدلے میں پورے سال میں اُمّتِ مسلمہ کے لئے عید کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فقد ورد عن أنس -رضی اللہ عنہ- أنہ قال: کان لأھل الجاھلیۃ یومان فی کل سنۃ یلعبون فیھما، فلما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ قال: کان لکم یومان تلعبون فیھما وقد أبدلکم اللہ بھما خیرا منھما: یوم الفطر ویوم الأضحی (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج۲۷، ص ۲۴۰، مادۃ ''صلاۃ العیدین'')

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین من جھۃ یزید بن ھارون، وأما متابعۃ سھل بن یوسف، فمن رجال البخاری وأصحاب السنن (حاشیۃ مسند احمد)

یہ دو دن مقرر کئے ہیں، ایک عیدُ الاضحیٰ کا دن اور دوسرے عید الفطر کا دن۔

اور دوسری قوموں کے تہواروں کے منانے سے اسلام نے منع فرما دیا، بلکہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اسلامی عید کے دن مقرر فرمائے، اور اسی وجہ سے مسلمانوں کو عیدین کے دن منانا عبادت ہے، اور کافروں کے مذہبی تہواروں میں اعانت وشرکت منع ہے۔

نمازِ عید کا حکم

عید کے دن دو رکعت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکرانہ کے طور پر مقرر کی گئی ہیں، جس کو عید کی نماز کہا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قول وفعل اور بعض آیات کی تفاسیر سے ''عید کے دن'' نمازِ عید کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز عید کی نماز کے مشروع ہونے پر امت کا اجماع بھی ہے، اگرچہ اس کے درجہ کی تعیین میں فقہائے کرام کا کچھ اختلاف بھی ہے۔ [1]

---

[1] مضمون البحث :الكلام عن صلاة العيد يتناول أدلة مشروعيتها، وحكمها الفقهي، ووقتها وموضعها، وكيفيتها أو صفتها، وخطبتها، وحكم التكبير في العيدين، وسنن العيد أو مستحباته أو وظائفه، والتنفل قبل العيد وبعده، كيفية صلاته صلى الله عليه وسلم صلاة عيد الفطر والأضحى وكيفية خطبته.

أولا ــ أدلة مشروعية صلاة العيد :شرعت صلاة العيد في السنة الأولى من الهجرة، بدليل ما روى أنس :قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة، ولهم يومان يلعبون فيهما، فقال :ما هذان اليومان؟ قالوا :كنا نلعب فيهما في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله قد أبدلكما خيرا منهما :يوم الأضحى، ويوم الفطر.

وأدلة مشروعيتها :الكتاب والسنة والإجماع:

أما الكتاب :فقوله تعالى :(فصل لربك وانحر)المشهور في التفسير :أن المراد بذلك صلاة العيد أي صلاة الأضحى والذبح.

وأما السنة :فثبت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتواتر كان يصلي صلاة العيدين .وأول عيد صلاه صلى الله عليه وسلم :عيد الفطر في السنة الثانية من الهجرة .قال ابن عباس :شهدت صلاة الفطر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر، فكلهم يصليها قبل الخطبة وعنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى العيد بغير أذان ولا إقامة(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج٢، ص١٣٨٧، القسم الأول :العبادات،الباب الثاني :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

عید کی نماز حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کی رُو سے واجب ہے۔
اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک، عید کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔
جبکہ حنابلہ کے نزدیک، عید کی نماز فرضِ کفایہ ہے کہ اگر شہر میں کچھ لوگ مثلاً چالیس افراد، نمازِ عید کو ادا کرلیں، تو باقی لوگ گناہ گار نہیں ہوتے، جیسا کہ جنازہ کا حکم بھی اسی طرح سے فرضِ کفایہ کا ہے، اور چند لوگوں کے ادا کرنے سے دوسرے لوگ گناہ گار نہیں رہتے۔ [1]
اس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کے بارے میں فقہائے مجتہدین میں سے ایک رائے فرضِ کفایہ ہونے کی ہے، جو کہ حنابلہ کی ہے، دوسری رائے واجب علی العین ہونے کی ہے، جو کہ حنفیہ کی ہے، اور تیسری رائے سنتِ مؤکدہ ہونے کی ہے، جو کہ مالکیہ اور شافعیہ کی ہے، اور شافعیہ کے نزدیک ہر ایک کو عید کی نماز باجماعت پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ بغیر جماعت کے، اور مسافر اور عورت کو بھی عید کی نماز کا اپنے مقام پر رہتے ہوئے پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

---

[1] حكم صلاة العيدين :صلاة العيدين واجبة على القول الصحيح المفتى به عند الحنفية - والمراد من الواجب عند الحنفية :أنه منزلة بين الفرض والسنة -ودليل ذلك :مواظبة النبي صلى الله عليه وسلم عليها من دون تركها ولو مرة، وأنه لا يصلى التطوع بجماعة -ما خلا قيام رمضان وكسوف الشمس وصلاة العيدين فإنها تؤدى بجماعة
فلو كانت سنة ولم تكن واجبة لاستثناها الشارع كما استثنى التراويح وصلاة الخسوف .
أما الشافعية والمالكية :فقد ذهبوا إلى القول بأنها سنة مؤكدة .ودليلهم على ذلك :قوله صلى الله عليه وسلم في الحديث الصحيح للأعرابي -وكان قد ذكر له الرسول صلى الله عليه وسلم الصلوات الخمس فقال له :هل علي غيرهن؟ قال لا، إلا أن تطوع .
قالوا :ولأنها صلاة ذات ركوع وسجود لم يشرع لها أذان فلم تجب بالشرع، كصلاة الضحى .
وذهب الحنابلة إلى القول بأنها فرض كفاية؛ لقوله تعالى :(فصل لربك وانحر) ، ولمداومة الرسول صلى الله عليه وسلم على فعلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۴۰، مادة"صلاة العيدين")

[2] ثانيا۔ حكمها الفقهي :يتردد حكم صلاة العيد بين آراء ثلاثة :كونها فرض كفاية، أو واجبا، أو سنة.
فقال الحنابلة في ظاهر المذهب :صلاة العيد فرض كفاية، إذا قام بها من يكفي سقطت عن الباقين،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازِ عید واجب ہونے کی شرائط

حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز واجب ہونے کی وہی شرائط ہیں، جو نمازِ جمعہ کی ہیں، سوائے خطبہ کے، کہ وہ عید کی نماز صحیح ہونے کے لیے ضروری نہیں، بلکہ سنت ہے۔

اور اگرچہ عام حالات میں عید کی نماز کا بڑے مجمع کے ساتھ پڑھنا سنت ومستحب ہے، اور کوئی عذر نہ ہو، تو عید کی نماز، آبادی سے باہر نکل کر بڑے میدان، یا عیدگاہ میں پڑھنا مناسب ہے، اور عید کی نماز ایک شہر، یا آبادی میں کئی جگہ پڑھنا بھی جائز ہے، مگر حتی الامکان ہر محلّہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أی كصلاة الجنازة، للآية السابقة (فصل لربک وانحر)وهی صلاة العيد فی المشهور فی السير، وكان النبی صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعده يداومون عليها، ولأنها من أعلام الدين الظاهرة، فكانت واجبة كالجهاد، ولم تجب عينا على كل مسلم، لحديث الأعرابی الآتی :إلا أن تطوع المقتضی نفی وجوب صلاة، سوى الخمس، وإنما وجب العيد بفعل النبی صلى الله عليه وسلم، ومن صلى معه.

فإن تركها أهل بلد يبلغون أربعين بلا عذر، قاتلهم الإمام كالأذان؛ لأنها من شعائر الإسلام الظاهرة، وفی تركها تهاون بالدين.

وقال الحنفية فی الأصح :تجب صلاة العيدين على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها.ودليلهم على الوجوب :مواظبة النبی صلى الله عليه وسلم عليها.

وقال المالكية والشافعية :هی سنة مؤكدة تلی الوتر فی التأكيد، لمن تجب عليه الجمعة :وهو الذكر البالغ الحر المقيم ببلد الجمعة، أو النائی عنه كبعد فرسخ (5544م) منه، ولا تندب عند المالكية لصبی وامرأة وعبد ومسافر لم ينو إقامة تقطع حكم السفر، وندبت لغير المرأة الشابة، ولا تندب لحاج ولا لأهل منى، ولو غير حاجين.

وتشرع عند الشافعية للمنفرد كالجماعة، والعبد والمرأة والمسافر والخنثى والصغير، فلا تتوقف على شروط الجمعة من اعتبار الجماعة والعدد وغيرهما .وهی أفضل فی حق غير الحاج بمنى من تركها بالإجماع.

ودليلهم على سنيتها :قوله صلى الله عليه وسلم للأعرابی السائل عن الصلاة :خمس صلوات كتبهن الله تعالى على عباده، قال له :هل على غيرها؟ قال :لا، إلا أن تطوع وكونها مؤكدة : لمواظبته صلى الله عليه وسلم عليها.

والتهنئة بالعيد والأعوام والأشهر مشروعة مباحة، لا سنة فيها ولا بدعة(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی،ج۲،ص۱۳۸۸و ۱۳۸۹،القسم الأول :العبادات،الباب الثانی :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

میں چھوٹے چھوٹے اجتماعوں کی بجائے کم از کم مقامات پر بڑے بڑے اجتماعات کی کوشش کرنی چاہیے۔

تاہم حنفیہ کے مشہور قول اور عام ضابطہ وقاعدہ کے مطابق عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے کم از کم امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، جو امام کے ساتھ شروع نماز سے شریک ہوں۔ [1]

---

[1] والأحكام التى سبقت بالنسبة للعدد الذى تنعقد به الجماعة إنما هو فى غير الجمعة والعيد؛ إذ فيهما يختلف العدد -ولكل مذهب رأيه فى تحديد العدد، حسبما يستند إليه من أدلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۱۷۰، مادة"صلاة الجماعة")

أما بيان شرائط وجوبها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة فهو شرط وجوب صلاة العيدين من الإمام والمصر والجماعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة بإجماع الصحابة.

وشرط الشيء يكون سابقا عليه أو مقارنا له (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج۱، ص۱۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ومن شرائطها :الجماعة وأقلهم عند أبى حنيفة ثلاثة سوى الإمام وقال أبو يوسف ومحمد :اثنان سوى الإمام(المختصر القدورى ، ص۳۹، ۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قوله واشتراط الجماعة لها :أى لصلاة الجمعة وفيه أن الجماعة كما هى شرط لها شرط لصلاة العيدين .

قوله وكونها : بالجر عطف على الجماعة أى واشتراط كون الجماعة ثلاثة سوى الإمام وفيه أن كونها ثلاثة سوى الإمام ليس شرطا خاصا بالجمعة بل كذلك صلاة العيدين .

قوله والخطبة :أى اشتراط الخطبة لها بخلاف صلاة العيدين فإن الخطبة ليست شرطا لها ولو اقتصر على اشتراط الخطبة لها لكان صوابا وقد يقال المختص بها اشتراط المجموع لا كل واحد (غمز عيون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر، ج۴، ص۶۲، القول فى أحكام يوم الجمعة)

(قوله وأقلها اثنان) لحديث اثنان فما فوقهما جماعة أخرجه السيوطى فى الجامع الصغير، ورمز لضعفه .قال فى البحر :لأنها مأخوذة من الاجتماع، وهما أقل ما تتحقق به، وهذا فى غير جمعة اهـ أى فإن أقلها فيها ثلاثة صالحون للإمامة سوى الإمام، مثلها العيد لقولهم :يشترط لها ما يشترط للجمعة صحة وأداء سوى الخطبة فافهم(رد المحتار على الدر المختار، ج۱، ص۵۵۳، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

لان الجمع يطلق اقلا على الثلاث. واشتراط الجماعة لها وكونها ثلاثة سوى الإمام (ردالمحتار، ج۲ص۱۶۵، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

تثنية عيد، وأصله عود قلبت الواو ياء لسكونها بعد كسرة اهـ ح .وفى الجوهرة مناسبته للجمعة ظاهرة وهو أنهما يؤديان بجمع عظيم ويجهر فيهما بالقراءة ويشترط لأحدهما ما يشترط للآخر سوى الخطبة، وتجب على من تجب عليه الجمعة، وقدمت الجمعة للفرضية وكثرة وقوعها. اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۶۵، كتاب الصلاة،باب العيدين)

اور بعض حنفیہ نے جمعہ کے علاوہ، عید کی نماز کے لئے، دوسری عام نمازوں کی طرح صرف دو افراد کو بھی کافی قرار دیا ہے۔

اگر مخصوص مجبوری، مثلاً لاک ڈاؤن وغیرہ کے حالات میں، جبکہ چار افراد کا بھی اجتماع مشکل ہو، کوئی اس قول کے مطابق عمل کرلے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ [1]

جبکہ حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز فرض ہونے کے لئے جمعہ کی نماز کی طرح مستقل طور پر مقیم ہونا اور جمعہ کی نماز والی تعداد کے مطابق کم از کم چالیس افراد کا ہونا شرط ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک عید کی نماز کے سنتِ مؤکدہ ہونے کے لئے بھی مکمل طور پر انہی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جو نمازِ جمعہ کے واجب ہونے کی شرائط ہیں، البتہ ان کے نزدیک عورت اور مسافر کو عید کی نماز پڑھنا مستحب ہے، ان کے ذمہ تاکیدی سنت نہیں۔

اور شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز ہر ایک مکلّف مسلمان کے حق میں سنتِ مؤکدہ ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، مقیم ہو یا مسافر ہو۔ [2]

---

[1] قلت :وفی إمامة البحر أن الجماعة فی العید تسن علی القول بسنیتها، وتجب علی القول بوجوبها .اهـ .وظاهره أنها غیر شرط علی القول بالسنیة لکن صرح بعده بأنها شرط لصحتها علی کل من القولین أی فتکون شرطا لصحة الإتیان بها علی وجه السنة وإلا کانت نفلا مطلقا تأمل لکن اعترض ط ما ذکره المصنف بأن الجمعة من شرائطها الجماعة التی هی جمع والواحد هنا مع الإمام کما فی النهر(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲، ص۱۶۶، کتاب الصلاۃ، باب العیدین)

کما فی النهروفیه ان من شرائطها الجماعة التی هی جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فکیف یصح أن یقال: بشرائطها(حاشیة الطحطاوی علی الدر، ج۱، ص۳۵۱، کتاب الصلاۃ، باب العیدین)

وإذا لم یشترط السلطان أو نائبه فلا معنی لاشتراط الإذن العام وکأنهم استغنوا بذکر السلطان عنه، علی أنا قدمنا أن الإذن العام لم یذکر فی الظاهر .نعم بقی أن یقال :من شرائطها الجماعة التی هی جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فکیف یصح أن یقال :إن شروطه الجمعة(النهر الفائق شرح کنز الدقائق، ج۱، ص۳۷۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین)

قوله" :وشرائط الصحة "ظاهره أنه لا بد من الجماعة المذکورة فی الجمعة علی خلاف فیها ولیس کذلک فإن الواحد هنا مع الإمام جماعة فیکف یصح أن یقال بشرائطها(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۵۲۸، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة)

[2] شروط وجوب صلاة العیدین.

عند الحنفیة :هی بعینها شروط وجوب صلاة الجمعة .فیشترط لوجوبها الإمام المصر الجماعة الوقت الذکورة الحریة صحة البدن الإقامة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازِ عید صحیح واداء ہونے کی شرائط

جہاں تک عید کی نماز صحیح ہونے کی شرائط کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کی شرائط وہی ہیں، جو جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی شرائط ہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز علی الکفایۃ درجہ میں صحیح ہونے کے لئے عید کی نماز کا وقت ہونا اور جماعت کا ہونا شرط ہے، البتہ جس کو جماعت کے ساتھ نہ ملے، وہ تنہاء پڑھنا چاہے، تو جائز ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إلا الخطبة، فإنها سنة بعد الصلاة.

قال الكاساني في بدائع الصنائع -وهو يقرر أدلة هذه الشروط :-أما الإمام فشرط عندنا لما ذكرنا في صلاة الجمعة، وكذا المصر لما روينا عن علي -رضي الله عنه -أنه قال :لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع .ولم يرد بذلك نفس الفطر ونفس الأضحى ونفس التشريق؛ لأن ذلك مما يوجد في كل موضع، بل المراد من لفظ الفطر والأضحى صلاة العيدين؛ ولأنها ما ثبتت بالتوارث من الصدر الأول إلا في الأمصار .والجماعة شرط لأنها ما أديت إلا بجماعة، والوقت شرط فإنها لا تؤدى إلا في وقت مخصوص، به جرى التوارث وكذا الذكورة والعقل والبلوغ والحرية وصحة البدن، والإقامة من شروط وجوبها كما هي من شروط وجوب الجمعة؛ لما ذكرنا في صلاة الجمعة، ولأن تخلف شرط من هذه الشروط يؤثر في إسقاط الفرض فلأن تؤثر في إسقاط الواجب أولى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ٢٤١، مادة"صلاة العيدين")

وأما الحنابلة -وصلاة العيدين عندهم فرض كفاية كما سبق بيانه -فإنما شرطوا لفرضيتها: الاستيطان، والعدد المشترط للجمعة.

والمالكية -وهم من القائلين بأن صلاة العيدين سنة مؤكدة -شرطوا لذلك، أي لتأكيد سنيتها: تكامل شروط وجوب الجمعة، وأن لا يكون المصلي متلبسا بحج .فإذا فقد أحد الشروط نظر :فإن كان المفقود هو عدم التلبس بالحج فصلاة العيد غير مطلوبة بأي وجه من وجوه الطلب، وإن كان المفقود هو أحد شروط وجوب الجمعة، كالمرأة والمسافر، فهي في حقهم مستحبة وليست بسنة مؤكدة .قال الصفتي :وهي سنة في حق من يؤمر بالجمعة وجوبا إلا الحاج فلا تسن له ولا تندب، وأما المرأة والصبي والمسافر فتستحب في حقهم

وذهب الشافعية إلى أنها سنة مؤكدة في حق كل مكلف ذكرا كان أو أنثى، مقيما أو مسافرا، حرا أو عبدا، ولم يشترطوا لسنيتها شرطا آخر غير التكليف.وقالوا باشتراط عدم التلبس بالحج لأدائها جماعة، أي فالحاج تسن له صلاة العيد منفردا لا جماعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ٢٤١، ٢٤٢، مادة"صلاة العيدين")

اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے وقت کے علاوہ مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز شرط نہیں، نہ تو جماعت کا ہونا شرط ہے، اور نہ ہی شہر وغیرہ کا ہونا شرط ہے۔ اگر کسی کو جماعت کے ساتھ نہ مل سکے، تو اس کو تنہاء پڑھنا بھی سنت یا مستحب ہے۔ ل

ل شروط الصحة: كل ما يعتبر شرطا فى صحة صلاة الجمعة، فهو شرط فى صحة صلاة العيدين أيضا، ما عدا الخطبة فهى هنا ليست شرطا فى صحة العيدين وإنما هى سنة.

ويستثنى -أيضا -شرط عدم التعدد (راجع صلاة الجمعة) فلا يشترط ذلك لصلاة العيد، قال الحصكفى :وتؤدى بمصر واحد فى مواضع كثيرة اتفاقا، وقال ابن عابدين :مقررا هذا الكلام: والخلاف إنما هو فى الجمعة، فيشترط لصحتها الإمام والمصروالجماعة والوقت.

وقد مر أنها شروط للوجوب أيضا .هذا عند الحنفية.

أما الحنابلة فقد اشترطوا الوقت والجماعة.

ولم يشترط المالكية والشافعية لصحة صلاة العيدين شيئا من هذه الشروط إلا الوقت.

أما الشروط التى هى قدر مشترك فى صحة الصلوات المختلفة من طهارة واستقبال قبلة . . .إلخ فليس فيها من خلاف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۴۲، مادة "صلاة العيدين")

شرائط وجوبها وجوازها:

قال الحنفية :كل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين، وجوازها، من الإمام والجماعة، والمصر، والوقت، إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة، ولو تركها جازت صلاة العيد.

أما الإمام أى حضور السلطان أو الحاكم أو نائبه :فهو شرط أداء العيد كالجمعة، لما ثبت فى السنة، ولأنه لو لم يشترط السلطان، لأدى إلى الفتنة، بسبب تجمع الناس، وتنازعهم على التقدم للإمامة لما فيها من الشرف والعلو والرفعة.

وأما المصر :فلقول على موقوفا عليه :لا جمعة ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى، إلا فى مصر جامع أو مدينة عظيمة .

وأما الجماعة :فلأنها ما أديت إلا بجماعة.

وأما الوقت :فإنها لا تؤدى إلا فى وقت مخصوص، كما جرى به التوارث عن السلف.

والذكورة والعقل والبلوغ والحرية وصحة البدن والإقامة من شرائط وجوبها، كما هى من شرائط وجوب الجمعة، فلا تجب على النسوان والصبيان والمجانين والعبيد بدون إذن مواليهم، ولا على الزمنى والمرضى والمسافرين، كما لاتجب عليهم الجمعة.

أما الحنابلة فقالوا :يشترط لصحة صلاة العيد استيطان أربعين عدد الجمعة ولا يشترط لها إذن، ويفعلها المسافر والعبد والمرأة والمنفرد تبعا لأهل وجوبها(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى ، ج۲، ص ۱۳۸۹ القسم الأول :العبادات،الباب الثانى:الفصل العاشر:،المبحث الرابع۔صلاة العيدين)

الجماعة فى صلاة العيدين شرط صحة عند الحنفية والحنابلة، وسنة عند المالكية والشافعية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۱٦۸ ، مادة"صلاة الجماعة")

اگر کسی کو عید کی نماز، پڑھنا ممکن نہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک بھی عید کی نماز کے بجائے گھر میں نفل کی نیت سے چار رکعت نفل پڑھ لینا بہتر ہے۔ [1]

فقہائے کرام کے سلسلہ کی کتب میں ان چیزوں کی تفصیلات مذکور ہیں، جن کو اصحابِ علم ملاحظہ فرما سکتے ہیں، ان کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔ [2]

---

[1] عَنْ مَسْرُوقٍ ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللهِ :مَنْ فَاتَهُ الْعِيدُ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا(مُصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث ٥٨٥٠، كتاب الصلاة،باب الرجل تفوته الصلاة في العيدين، كم يصلي؟)

ولكنه يصلي أربعا مثل صلاة الضحى إن شاء؛ لأنها إذا فاتته لا يمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط فلو صلى مثل الضحى لنيل الثواب كان حسنا، وهو مروى عن ابن مسعود(البحرالرائق ،ج ٢ ص ١٧٥، كتاب الصلاة، باب العيدين)

روى عن ابن مسعود رضى اللہ عنه انه قال من فاتته صلوة العيدصلى اربع ركعات يقرأفى الاولٰى سبح اسم ربك الاعلٰى وفى الثانيه والشمس وضحها وفى الثالثة والليل اذايغشى وفى الرابعه والضحى وروى فى ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعدا جميلاً وثواباً جزيلا (قاضى خان علٰى هامش الهندية ج ١ ص ١٨٤، كتاب الصلاة)

[2] وأجمع المسلمون على صلاة العيدين .وصلاة العيد فرض على الكفاية، في ظاهر المذهب، إذا قام بها من يكفي سقطت عن الباقين، وإن اتفق أهل بلد على تركها قاتلهم الإمام .وبه قال بعض أصحاب الشافعي.

وقال أبو حنيفة :هي واجبة على الأعيان، وليست فرضا، لأنها صلاة شرعت لها الخطبة، فكانت واجبة على الأعيان، وليست فرضا .كالجمعة .وقال ابن أبي موسى :قيل إنها سنة مؤكدة غير واجبة .وبه قال مالك، وأكثر أصحاب الشافعي،

وقال أبو حنيفة :هي واجبة على الأعيان، وليست فرضا، لأنها صلاة شرعت لها الخطبة، فكانت واجبة على الأعيان، وليست فرضا .كالجمعة .وقال ابن أبي موسى :قيل إنها سنة مؤكدة غير واجبة .وبه قال مالك، وأكثر أصحاب الشافعي؛ لقول رسول الله -صلى الله عليه وسلم - للأعرابي حين ذكر خمس صلوات قال :هل على غيرهن؟ قال :لا إلا أن تطوع . وقوله -عليه السلام :-خمس صلوات كتبهن الله على العبد. الحديث.

ولأنها صلاة ذات ركوع وسجود لم يشرع لها أذان، فلم تجب ابتداء بالشرع، كصلاة الاستسقاء والكسوف .ثم اختلفوا، فقال بعضهم :إذا امتنع جميع الناس من فعلها قاتلهم الإمام عليها .وقال بعضهم :لا يقاتلهم .ولنا، على أنها لا تجب على الأعيان أنها لا يشرع لها الأذان، فلم تجب على الأعيان، كصلاة الجنازة، ولأن الخبر الذي ذكره مالك ومن وافقه يقتضي نفي وجوب صلاة سوى الخمس، وإنما خولف بفعل النبي -صلى الله عليه وسلم -ومن صلى معه، فيختص بمن كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازِ عید کے لیے مسجد وغیر مسجد کا حکم

عید کی نماز کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ مسجد کے علاوہ بھی کسی جگہ میں عید کی نماز کا پڑھنا جائز ہے، اور شافعیہ کے نزدیک اگر مسجد وسیع ہو، جس میں وہاں کے لوگ سما سکیں، تو غیر مسجد میں پڑھنے کے بجائے، مسجد ہی میں عید کی نماز پڑھنا افضل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مثلهم، ولأنها لو وجبت على الأعيان لوجبت خطبتها، ووجب استماعها كالجمعة.

ولنا، على وجوبها فى الجملة، أمر الله تعالى بها، بقوله (فصل لربك وانحر) (الكوثر 2 :) والأمر يقتضى الوجوب، ومداومة النبى -صلى الله عليه وسلم -على فعلها، وهذا دليل الوجوب .ولأنها من أعلام الدين الظاهرة، فكانت واجبة كالجمعة، ولأنها لو لم تجب لم يجب قتال تاركيها، كسائر السنن، يحققه أن القتال عقوبة لا تتوجه إلى تارك مندوب كالقتل والضرب .فأما حديث الأعرابى فلا حجة لهم فيه؛ لأن الأعراب لا تلزمهم الجمعة، لعدم الاستيطان، فالعيد أولى.

والحديث الآخر مخصوص بما ذكرناه، على أنه إنما صرح بوجوب الخمس، وخصها بالذكر، لتأكيدها ووجوبها على الأعيان،ووجوبها على الدوام، وتكررها فى كل يوم وليلة، وغيرها يجب نادرا ولعارض، كصلاة الجنازة والمنذورة والصلاة المختلف فيها، فلم يذكرها، وقياسهم لا يصح؛ لأن كونها ذات ركوع وسجود لا أثر له، بدليل أن النوافل كلها فيها ركوع وسجود، وهى غير واجبة، فيجب حذف هذا الوصف، لعدم أثره، ثم ينقض قياسهم بصلاة الجنازة، وينتقض على كل حال بالمنذورة(المغنى لابن قدامة، ج٢، ص ٢٧٢،باب صلاة العيدين)

فصل :ويشترط الاستيطان لوجوبها؛ لأن النبى -صلى الله عليه وسلم -لم يصلها فى سفره .ولا خلفاؤه وكذلك العدد المشترط للجمعة؛ لأنها صلاة عيد، فأشبهت الجمعة .وفى إذن الإمام روايتان :أصحهما، ليس بشرط.

ولا يشترط شىء من ذلك لصحتها، لأنها تصح من الواحد فى القضاء ، وقال أبو الخطاب فى ذلك كله روايتان .وقال القاضى :كلام أحمد يقتضى روايتين :إحداهما، لا يقام العيد إلا حيث تقام الجمعة وهذا مذهب أبى حنيفة إلا أنه لا يرى ذلك إلا فى مصر، لقوله :لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع .والثانية، يصليها المنفرد والمسافر، والعبد والنساء ، على كل حال.

وهذا قول الحسن والشافعى، لأنه ليس من شرطها الاستيطان فلم يكن من شرطها الجماعة، كالنوافل، إلا أن الإمام إذا خطب مرة، ثم أرادوا أن يصلوا، لم يخطبوا وصلوا بغير خطبة، كى لا يؤدى إلى تفريق الكلمة، والتفصيل الذى ذكرناه أولى ما قيل به، إن شاء الله تعالى(المغنى لابن قدامة، ج٢، ص ٢٩١،باب صلاة العيدين،فصل شرط صلاة العيدين الاستيطان)

وأجمع المسلمون على أن صلاة العيد مشروعة وعلى أنها ليست فرض عين ونص الشافعى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ کے نزدیک چونکہ تنہاء بھی عید کی نماز پڑھنا درست ہے، اس لیے ان کے نزدیک عورت، مرد وغیرہ کو تنہاء اپنے گھروں میں پڑھنا بھی درست ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجمهور الأصحاب على أنها سنة وقال الإصطخرى فرض كفاية فإن قلنا فرض كفاية قوتلوا بتركها وإن قلنا سنة لم يقاتلوا على أصح الوجهين وقال أبو إسحاق المروزى يقاتلون وقد ذكر المصنف دليل الجميع ووجه الدلالة من الحديث للمذهب أن النبى صلى الله عليه وسلم أخبره أنه لا فرض سوى الخمس فلو كان العيد فرض كفاية لما أطلق هذا الإطلاق لأن فرض الكفاية واجب على جميعهم ولكن يسقط الحرج بفعل البعض ولهذا لو تركوه كلهم عصوا وقوله لأنها صلاة مؤقتة احتراز من الجنازة وقوله لا تشرع لها الإقامة احتراز من الصلوات الخمس وقوله فلم تجب بالشرع احتراز من المنذورة وجماهير العلماء من السلف والخلف أن صلاة العيد سنة لا فرض كفاية.

(وأما قول) الشافعى فى المختصر من وجب عليه حضور الجمعة وجب عليه حضور العيدين (فقال) أصحابنا هذا ليس على ظاهره فإن ظاهره أن العيد فرض عين على كل من تلزمه الجمعة وهذا خلاف إجماع المسلمين فيتعين تأويله قال أبو إسحاق من لزمته الجمعة حتما لزمه العيد ندبا واختيارا وقال الإصطخرى معناه من لزمته الجمعة فرضا لزمه العيد كفاية قال أصحابنا ومراد الشافعى أن العيد يتأكد فى حق من تلزمه الجمعة(المجموع شرح المهذب، ج۵، ص۳، باب صلاة العيدين)

واختلفوا فيمن تجب عليه صلاة العيد -أعنى :وجوب السنة -فقالت طائفة :يصليها الحاضر والمسافر، وبه قال الشافعى والحسن البصرى، وكذلك قال الشافعى :إنه يصليها أهل البوادى، ومن لا يجمع حتى المرأة فى بيتها .وقال أبو حنيفة وأصحابه :إنما تجب صلاة الجمعة والعيدين على أهل الأمصار والمدائن .وروى عن على أنه قال :لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع .وروى عن الزهرى أنه قال :لا صلاة فطر ولا أضحى على مسافر.

والسبب فى هذا الاختلاف :اختلافهم فى قياسها على الجمعة، فمن قاسها على الجمعة كان مذهبه فيها على مذهبه فى الجمعة، ومن لم يقسها رأى أن الأصل هو أن كل مكلف مخاطب بها حتى يثبت استثناؤه من الخطاب.

قال القاضى :قد فرقت السنة بين الحكم للنساء فى العيدين والجمعة، وذلك أنه ثبت أنه -عليه الصلاة والسلام -أمر النساء بالخروج للعيدين، ولم يأمر بذلك فى الجمعة .

وكذلك اختلفوا فى الموضع الذى يجب منه المجىء إليها كاختلافهم فى صلاة الجمعة من الثلاثة الأميال إلى مسيرة اليوم التام(بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج۱، ص۲۲۹، كتاب الصلاة الثانى ،الباب الثامن فى صلاة العيدين)

وصلاة العيدين سنة مسنونة لا ينبغى تركها وهى على جميع أهل الآفاق وأهل الأمصار وأهل القرى وأهل البادية يبرزون إلى مصلاهم فيصلونها هناك ولا تصلى فى المسجد إلا من ضرورة إلا أهل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جب ملک میں بڑے بڑے اجتماعات پر پابندی ہو، تو شافعیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں بہت وُسعت اور گنجائش موجود ہے۔

اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک بھی اگر کوئی جماعت میں شریک نہ ہوسکے، تو اس کو تنہاء بغیر جماعت کے پڑھ لینا جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر کسی کو جماعت کے ساتھ عید کی نماز دستیاب نہ ہو، تو اس کو قضاء کا حکم تو نہیں، البتہ اگر وہ چاہے، تو عام نوافل کی طرح بغیر جماعت کے چار رکعات پڑھ لینا بہتر ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مکة فسنتهم صلاتها فى المسجد الحرام وليست على المسافرين ولا على أهل منى والحاج لأنهم مسافرون مشغولون بغير ذلك(الكافى فى فقه أهل المدينة، ج ١، ص ٢٦٣، باب صلاة العيدين)

(لمأمور الجمعة)ش :يعني أن صلاة العيدين إنما هى سنة فى حق من يؤمر بالجمعة يريد وجوبا وأما من لا تجب عليه الجمعة من أهل القرى الصغار والمسافرين والنساء والعبيد ومن عقل الصلاة من الصبيان فليست فى حقهم سنة ولكنه يستحب لهم إقامتها كما سيأتى عند قوله :وإقامة من لم يؤمر بها.

(فرع) قال فى النوادر ولو تركوا الجمعة وهى عليهم فعليهم أن يصلوا العيد بخطبة وجماعة انتهى. ودخل فى قوله :لمأمور الجمعة من كان على ثلاثة أميال، قال فى النوادر وينزل إليها من على ثلاثة أميال انتهى(مواهب الجليل فى شرح مختصر خليل، ج٢، ص ١٨٩، كتاب الصلاة، فصل صلاة العيدين)

صلاة العيد كصلاة الجمعة فى اشتراط الجماعة حتى تقع سنة، وأما من فاتته فيندب له فقط(الفواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى، ج ١، ص ٢٧٠، باب فى صلاة العيدين)

[1] مكان أدائها:

كل مكان طاهر، يصلح أن تؤدى فيه صلاة العيد، سواء كان مسجدا أو عرصة وسط البلد أو مفازة خارجها .إلا أنه يسن الخروج لها إلى الصحراء أو إلى مفازة واسعة خارج البلد تأسيا بما كان يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ولا بأس أن يستخلف الإمام غيره فى البلدة ليصلى فى المسجد بالضعفاء الذين لا طاقة لهم بالخروج لها إلى الصحراء .

ولم يخالف أحد من الأئمة فى ذلك، إلا أن الشافعية قيدوا أفضلية الصلاة فى الصحراء بما إذا كان مسجد البلد ضيقا.

وإن كان المسجد واسعا لا يتزاحم فيه الناس، فالصلاة فيه أفضل؛ لأن الأئمة لم يزالوا يصلون صلاة العيد بمكة فى المسجد؛ ولأن المسجد أشرف وأنظف .ونقل صاحب المهذب عن الشافعى قوله : إن كان المسجد واسعا فصلى فى الصحراء فلا بأس، وإن كان ضيقا فصلى فيه ولم يخرج إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب بڑے اجتماعات پر پابندی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک گھروں وغیرہ میں چار عاقل بالغ مرد افراد بھی، جمعہ کی طرح نمازِ عید قائم کر سکتے ہیں۔

بلکہ حنفیہ کے ایک غیر معروف قول کے مطابق جمعہ کے علاوہ دیگر باجماعت نمازوں کی طرح دو افراد بھی عید کی نماز باجماعت اداء کر سکتے ہیں، اور مجبوری کے حالات میں اس قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔

خواتین کے لیے نمازِ عید کا حکم

عورتوں پر عید کی نماز لازم نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے خواتین کا عید

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الصحراء كرهت؛ لأنه إذا ترك المسجد وصلى في الصحراء لم يكن عليهم ضرر، وإذا ترك الصحراء وصلى في المسجد الضيق تأذوا بالزحام، وربما فات بعضهم الصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۴۴، ۲۴۵، مادة"صلاة العيدين")

رابعا ـ موضع أداء صلاة العيد :للفقهاء رأيان متقاربان ، فقال الجمهور غير الشافعية :موضعها في غير مكة :المصلى (الصحراء خارج البلد، على أن يكون قريبا من البلد عرفا عند الحنابلة) لا المسجد، إلا من ضرورة أو عذر، وتكره في المسجد، بدليل فعل النبي صلى الله عليه وسلم، والكراهة لمخالفة فعله عليه السلام .فإن كان عذر لم تكره، لقول أبي هريرة :أصابنا مطر في يوم عيد، فصلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم في المسجد وروى أن عمر وعثمان رضي الله عنهما صليا في المسجد في المطر.

أما في مكة :فالأفضل فعلها في المسجد الحرام، لشرف المكان، ومشاهدة الكعبة، وذلك من أكبر شعائر الدين.

وقال الشافعية :فعل صلاة العيد في المسجد أفضل؛ لأنه أشرف وأنظف من غيره، إلا إذا كان مسجد البلد ضيقا، فالسنة أن تصلى في المصلى، لما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخرج إلى المصلى، ولأن الناس يكثرون في صلاة العيد، وإذا كان المسجد ضيقا تأذى الناس .قال الشافعية رحمه الله :فإن كان المسجد واسعا، فصلى في الصحراء فلا بأس، وإن كان ضيقا، فصلى فيه ولم يخرج إلى المصلى، كرهت.

فإن كان في الناس ضعفاء ، استخلف الإمام في مسجد البلد من يصلي بهم،لما روى أن عليا رضي الله عنه استخلف أبا مسعود الأنصاري رضي الله عنه، ليصلي بضعفة الناس في المسجد.

وقال الحنفية :ولا يخرج المنبر إلى المصلى (الجبانة) يوم العيد، ولا بأس ببنائه دون إخراجه (الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج۲، ص ۱۳۹۴ ،القسم الأول :العبادات،الباب الثاني :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

کی نماز کے لیے جانا ثابت ہے۔

لیکن فقہائے کرام کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک مطلقاً عورتوں کو عید کی نماز کے لئے نکلنا جائز ہے، خواہ جوان ہو، یا بوڑھی، جبکہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں، اور زیب وزینت کا اظہار نہ کریں۔

اور حنفیہ کے نزدیک خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنا افضل ہے، اور بہتر یہ ہے کہ وہ گھر میں رہ کر ہی عبادت وذکر کریں، اور جوان عورتوں کو عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نکلنا مکروہ ہے، البتہ بوڑھی اور معمَّر خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بوڑھی خواتین کے ساتھ ساتھ اُن خواتین کو بھی نکلنا جائز بلکہ مستحب ہے، جو کہ بوڑھی تو نہیں ہیں، لیکن حسن وجمال والی نہیں ہیں، اور جو حسن وجمال والی ہوں ان کو فتنہ وفساد لازم آنے کی وجہ سے نکلنا مستحب نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جوانی اور خوبصورتی میں ممتاز کو نکلنا منع ہے، اور جو ایسی نہ ہو، اس کو کبھی کبھی نکلنے میں حرج نہیں، اور بوڑھی خواتین کو نکلنے میں حرج نہیں۔ [1]

---

[1] المرأة وصلاة العيدين:
ذهب المالكية، والشافعية، والحنابلة إلى كراهة خروج الشابات وذوات الجمال لصلاة العيدين لما فى ذلك من خوف الفتنة، ولكنهم استحبوا فى المقابل خروج غير ذوات الهيئات منهن واشتراكهن مع الرجال فى الصلاة.
وذلك للحديث المتفق عليه عن أم عطية :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج العواتق وذوات الخدور والحيض فى العيد، فأما الحيض فكن يعتزلن المصلى ويشهدن الخير ودعوة المسلمين.
ولكن ينبغى أن يخرجن فى ثياب لا تلفت النظر دون تطيب ولا تبرج .
ويختلف الحكم عند الحنفية فى إباحة خروج النساء إلى صلاة العيدين بين كون المرأة شابة أو عجوزا .أما الشابات من النساء وذوات الجمال منهن، فلا يرخص لهن
فى الخروج إلى صلاة العيد ولا غيرها كصلاة الجمعة ونقل الكاسانى إجماع أئمة المذهب الحنفى عليه، وذلك لقوله تعالى :(وقرن فى بيوتكن).
وأما العجائز فلا خلاف أنه يرخص لهن الخروج للعيد وغيره من الصلوات.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ ابنِ تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ نے، خواتین کو عید کی نماز میں شریک ہونے کی خصوصی اہمیت پرزوردیا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غير أن الأفضل على كل حال أن تصلى المرأة فى بيتها، واختلفت الرواية عن أبى حنيفة :هل تخرج المرأة للصلاة أم لتكثير سواد المسلمين (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج٢٧،ص٢٤٣، مادة"صلاة العيدين")

خروج النساء إلى صلاة العيد:

اتفق الفقهاء منهم الحنفية والمالكية على أنه لا يرخص للشابات من النساء الخروج إلى الجمعة والعيدين وشيء من الصلاة، لقوله تعالى :(وقرن فى بيوتكن)والأمر بالقرار نهى عن الانتقال، ولأن خروجهن سبب الفتنة بلا شك، والفتنة حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام.

وأما العجائز :فلا خوف فى أن يرخص لهن الخروج فى الفجر والمغرب والعشاء ، والعيدين، واختلفوا فى الظهر والعصر والجمعة، كما بينا سابقا .وهذا التفصيل بين الشابة والعجوز هو مذهب الآخرين أيضا.

وعبارة الشافعية والحنابلة :لا بأس بحضور النساء مصلى العيد غير ذوات الهيئات فلا تحضر المطيبات، ولا لابسات ثياب الزينة أو الشهرة، لما روت أم عطية، قالت :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج العواتق والحيض، وذوات الخدور فى العيد، فأما الحيض فكن يعتزلن الصلاة، ويشهدن الخير ودعوة المسلمين .

وإذا أراد النساء الحضور تنظفن بالماء ، ولا يتطيبن، ولا يلبسن الشهرة من الثياب، أى الثياب الفاخرة، ويعتزلن الرجال فلا يختلطن بهم، ويعتزل الحيض المصلى للحديث السابق، ولقوله صلى الله عليه وسلم :لا تمنعوا إماء الله مساجد الله، وليخرجن تفلات أى غير عطرات، ولأن المرأة إذا تطيبت ولبست الشهرة من الثياب، دعا ذلك إلى الفساد (الفقه الاسلامى وادلته للزحيلى، ج٢،ص ١٣٩١ ، القسم الأول : العبادات،الباب الثانى :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

ل قلنا :ما كان يشهد الجمعة والجماعة من النساء إلا أقلهن؛ لأن (النبى صلى الله عليه وسلم قال :لا تمنعوا إماء الله مساجد الله وبيوتهن خير لهن) متفق عليه .وقال :(صلاة إحداكن فى مخدعها أفضل من صلاتها فى حجرتها وصلاتها فى حجرتها أفضل من صلاتها فى دارها وصلاتها فى دارها أفضل من صلاتها فى مسجد قومها وصلاتها فى مسجد قومها أفضل من صلاتها معى -أو قال -خلفى) رواه أبو داود .فقد أخبر المؤمنات :أن صلاتهن فى البيوت أفضل لهن من شهود الجمعة والجماعة إلا "العيد "فإنه أمرهن بالخروج فيه ولعله -والله أعلم -لأسباب:

أحدها :أنه فى السنة مرتين فقبل بخلاف الجمعة والجماعة.

الثانى :أنه ليس له بدل خلاف الجمعة والجماعة فإن صلاتها فى بيتها الظهر هو جمعتها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ حکم عام حالات میں عورتوں کو عید کی نماز کے لئے باہر نکلنے کے متعلق ہے۔

اور اگر کسی گھر وغیرہ میں کسی فقہ کے مطابق عید کی نماز پڑھی جائے، تو وہاں کی عورتوں کو نمازِ عید میں شریک ہونا، بلا کراہت جائز ہوگا، جس کی تفصیل ہم جمعہ سے متعلق اپنے دیگر مضامین میں بیان کر چکے ہیں، اور اِذنِ عام و اِذنِ حاکم کے مسئلہ کی بھی تفصیل با حوالہ بیان کر چکے ہیں، جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الثالث :أنه خروج إلى الصحراء لذكر الله فهو شبيه بالحج من بعض الوجوه؛ ولهذا كان العيد الأكبر فى موسم الحج موقفة للحجيج ومعلوم أن الصحابيات إذا علمن أن صلاتهن فى بيوتهن أفضل لم يتفق أكثرهن على ترك الأفضل؛ فإن ذلك يلزم أن يكون أفضل القرون على المفضول من الأعمال .فإن قيل :هذا التفضيل إنما وقع فى حق من بعد الصحابيات لما أحدث النساء ما أحدثن ولأن من بعد الرسول من الأئمة لا يساويه؛ فأما الصحابيات فصلاتهن خلف النبى صلى الله عليه وسلم كانت أفضل ويكون هذا الخطاب عاما خرج منه القرن الأول؛ فإن تخصيص العموم جائز .قلنا :هذا خلاف ما علم بالاضطرار من لغة العرب والعجم وخلاف ما علم بالاضطرار من دين المسلمين وخلاف ما فطر الله عليه العقلاء وخلاف ما أجمع المسلمون عليه؛ وذلك لأن قوله: (لا تمنعوا إماء الله مساجد الله وبيوتهن خير لهن) قد أجمع المسلمون على أن الحاضرين تحقق دخولهم فيه .واختلفوا فى القرن الثانى والثالث هل يدخلون بمطلق الخطاب أم بدليل منفصل؟ فيه قولان فأما دخول الغائب دون الحاضر فممتنع باتفاق .ثم اللغة تحيله فإن قوله :(لا تمنعوا إماء الله) لا ريب أنه خطاب للصحابة -رضى الله عنهم -ابتداء فكيف تحيل اللغة أن لا يدخلوا فيه .ويدخل فيه من بعدهم؟ أهل اللغة لا يشكون أن هذا ممتنع.

ثم قد علمنا بالاضطرار أن أوامر القرآن والسنة شملت الصحابة ثم من بعدهم وقد يقال أو يتوهم فى بعضها :أنها شملتهم دون من بعدهم فأما اختصاص من بعدهم بالأوامر الخطابية دونهم فهذا لا وجود له .وأما مخالفته "للفطر "فما من سليم العقل يعرض عليه هذا إلا أنكره أشد الإنكار ثم هب هذا أمكن فى قوله :(لا تمنعوا إماء الله مساجد الله) فكيف بقوله :(صلاة إحداكن فى مسجد قومها أفضل من صلاتها معى أو خلفى) ؟ أليس نصا فى صلاتهن فى بيوتهن وفى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم خلفه؟ وصلى الله على محمد (مجموع الفتاوى،لابن تيمية، ج٦،ص٤٦٠،شهود النساء الجمعة)

فالقادر يخرج والنساء قادرات على الخروج فيخرجن ولا يصلين وحدهن وكذلك من كان من المسافرين فى البلد فإنه يمكنهم أن يصلوا مع الإمام فلا يصلون وحدهم بإمام بخلاف الجمعة فإنهم

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

نمازِ عید کی ادائیگی کا وقت

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز کا وقت سورج طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا لم يصلوها صلوا وحدهم وإذا كانوا فى بيوتهم صلوا بإمام كما يصلون فى الصحراء .
وأما من كان يوم العيد مريضا أو محبوسا وعادته يصلى العيد فهذا لا يمكنه الخروج فهؤلاء بمنزلة الذين استخلف على من يصلى بهم فيصلون جماعة وفرادى ويصلون أربعا كما يصلون يوم الجمعة بلا تكبير ولا جهر بالقراء ة ولا أذان وإقامة لأن العيد ليس له أذان وإقامة فلا يكون فى المبدل عنه بخلاف الجمعة فإن فيها وفى الظهر أذانا وإقامة والجمعة كل من فاتته صلى الظهر ؛ لأن الظهر واجبة فلا تسقط إلا عمن صلى الجمعة فلا بد لكل من كان من أهل وجوب الصلاة أن يصلى يوم الجمعة إما الجمعة وإما الظهر ولهذا كان النساء والمسافرون وغيرهم إذا لم يصلوا الجمعة صلوا ظهرا .وأما يوم العيد فليس فيه صلاة مشروعة غير صلاة العيد وإنما تشرع مع الإمام فمن كان قادرا على صلاتها مع الإمام من النساء والمسافرين فعلوها معه وهم مشروع لهم ذلک بخلاف الجمعة فإنهم إن شاء وا صلوها مع الإمام وإن شاء وا صلوها ظهرا ؛ بخلاف العيد فإنهم إذا فوتوه فوتوه إلى غير بدل فكان صلاة العيد للمسافر والمرأة أوكد من صلاة يوم الجمعة والجمعة لها بدل بخلاف العيد .وكل من العيدين إنما يكون فى العام مرة والجمعة تتكرر فى العام خمسين جمعة وأكثر فلم يكن تفويت بعض الجمع كتفويت العيد .ومن يجعل العيد واجبا على الأعيان لم يبعد أن يوجبه على من كان فى البلد من المسافرين والنساء كما كان فإن جميع المسلمين الرجال والنساء كانوا يشهدون العيد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم والقول بوجوبه على الأعيان أقوى من القول بأنه فرض على الكفاية .وأما قول من قال إنه تطوع فهذا ضعيف جدا ؛ فإن هذا مما أمر به النبى صلى الله عليه وسلم وداوم عليه هو وخلفاؤه والمسلمون بعده ولم يعرف قط دار إسلام يترک فيها صلاة العيد وهو من أعظم شعائر الإسلام .وقوله تعالى (ولتكبروا الله على ما هداكم) ونحو ذلک من الأمر بالتكبير فى العيدين أمر بالصلاة المشتملة على التكبير الراتب والزائد بطريق الأولى والأحرى وإذا لم يرخص النبى صلى الله عليه وسلم فى تركه للنساء فكيف للرجال .
ومن قال :هو فرض على الكفاية .قيل له :هذا إنما يكون فيما تحصل مصلحته بفعل البعض كدفن الميت وقهر العدو وليس يوم العيد مصلحة معينة يقوم بها البعض بل صلاة يوم العيد شرع لها الاجتماع أعظم من الجمعة فإنه أمر النساء بشهودها ولم يؤمرن بالجمعة بل أذن لهن فيها وقال :(صلاتكن فى بيوتكن خير لكن) . ثم هذه المصلحة بأى عدد تحصل ؟ فمهما قدر من ذلک كان تحكما سواء قيل بواحد أو اثنين أو ثلاثة .وإذا قيل بأربعين فهو قياس على الجمعة وهو فرض على الأعيان فليس لأحد أن يتخلف عن العيد إلا لعجزه عنه وإن تخلف عن الجمعة لسفر أو أنوثة .والله أعلم(مجموع الفتاوى،لابن تيمية،ج ٢٤،ص ١٨٤،باب صلاة الجمعة،خروج النساء لمصلى العيد)

لمحہ شروع ہوجاتا ہے، جب نوافل کے جائز ہونے کا وقت شروع ہوتا ہے، اور عید کی نماز کا وقت دوپہر کو سورج کے زوال تک جاری رہتا ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز کا وقت، سورج طلوع ہوتے ہی، بلا تاخیر فوراً شروع ہوجاتا ہے، اور سورج کے زوال تک جاری رہتا ہے۔ [1]

---

[1] وقت أدائها:

ذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والمالكية والحنابلة -إلى أن وقت صلاة العيدين يبتدء عند ارتفاع الشمس قدر رمح بحسب رؤية العين المجردة -وهو الوقت الذى تحل فيه النافلة -ويمتد وقتها إلى ابتداء الزوال.

وقال الشافعية :إن وقتها ما بين طلوع الشمس وزوالها، ودليلهم على أن وقتها يبدأ بطلوع الشمس أنها صلاة ذات سبب فلا تراعى فيها الأوقات التى لا تجوز فيها الصلاة.

أما الوقت المفضل لها، فهو عند ارتفاع الشمس قدر رمح، إلا أنه يستحب عدم تأخيرها عن هذا الوقت بالنسبة لعيد الأضحى، وذلك كى يفرغ المسلمون بعدها لذبح أضاحيهم، ويستحب تأخيرها قليلا عن هذا الوقت بالنسبة لعيد الفطر، وذلك انتظارا لمن انشغل فى صبحه بإخراج زكاة الفطر.

وهذا محل اتفاق عند سائر الأئمة ، ودليلهم على ما ذهبوا إليه من التفريق بين صلاتى الفطر والأضحى :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى بعض الصحابة :أن يقدم صلاة الأضحى ويؤخر صلاة الفطر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۴۳، مادة"صلاة العيدين")

ثالثا۔وقتها :اتفق الفقهاء على أن وقت صلاة العيد :هو ما بعد طلوع الشمس قدر رمح أو رمحين، أى بعد حوالى نصف ساعة من الطلوع، إلى قبيل الزوال، أى قبل دخول وقت الظهر، وهو وقت صلاة الضحى؛ للنهى عن الصلاة عند طلوع الشمس، فتحرم عند الشروق، وتكره بعدها عند الجمهور، فإذا صلوا قبل ارتفاع الشمس قدر رمح لا تكون عند الحنفية صلاة عيد، بل نفلا محرما(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۲، ص۱۳۹۱، القسم الأول :العبادات، الباب الثانى : الصلاة ، الفصل العاشر، المبحث الرابع)

الشافعية قالوا :وقتها من ابتداء طلوع الشمس، وإن لم ترتفع إلى الزوال، ويسن قضاء ها بعد ذلك على صفتها الآتية.

المالكية قالوا :وقتها من حل النافلة إلى الزوال، ولا تقضى بعد ذلك.

الحنابلة قالوا :وقتها من حل النافلة، وهو ارتفاع الشمس قدر رمح بعد طلوعها إلى قبيل الزوال، وإن فاتت فى يومها تقضى فى اليوم التالى، ولو أمكن قضاء ها فى اليوم الأول، وكذلك تقضى، وإن فاتت أيام لعذر، أو لغير عذر.

الحنفية قالوا :وقتها من حل النافلة إلى الزوال، فإذا زالت الشمس وهو فيها فسدت إن حصل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورج طلوع ہونے سے لے کر، زوال کے دوران جب بھی چاہیں، عید کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور اپنے حسبِ حال اور حسبِ سہولت، اس وقت کے درمیان جب بھی عید کی نماز ادا کی جائے، وہ ادا ہوجاتی ہے۔ [1]

اگر لوگوں کو عید کے دن کا علم، وقت نکلنے کے بعد ہو، تو نمازِ عید کو اگلے دن مذکورہ وقت میں یعنی سورج طلوع ہونے کے بعد زوال سے پہلے اداء کیا جاسکتا ہے۔

اور اگر ایسا نہ ہو، اور کوئی شخص یا کچھ لوگ نمازِ عید سے رہ جائیں، اور وقت ختم ہوجائے، تو وہ لوگ اگلے دن عید کی نماز نہیں پڑھ سکتے۔

تاہم شافعیہ کے نزدیک چونکہ جماعت سے نمازِ عید پڑھنا، ضروری نہیں، اس لیے ان کے نزدیک کوئی شخص جماعت سے رہ جائے، تو وہ عید کے دن زوال سے پہلے پہلے عید کی نماز بغیر جماعت کے اداء پڑھ سکتا ہے، اور زوال کے بعد قضاء پڑھ سکتا ہے۔

مالکیہ بھی ایسے شخص کو زوال سے پہلے، تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا مستحب قرار دیتے ہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک بھی جمعہ کی طرح مشہور اقوال کے مطابق چار افراد، اور دوسرے قول کے مطابق دو افراد، عید کی نماز با جماعت اداء کرسکتے ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الزوال قبل القعود قدر التشهد، ومعنى فسادها أنها تنقلب نفلاً، أما قضاؤها إذا فاتت فسيأتي حكمه بعد.

الشافعية قالوا :يسن تأخير صلاة العيدين إلى أن ترتفع الشمس قدر رمح.

المالكية قالوا :لا يسن تأخير صلاة العيدين عن أول وقتها(الفقه على المذاهب الأربعة،للجزيری، ج ۱ ،ص ۳۱۴،مباحث صلاة العيدين، كيفية صلاة العيدين)

[1] تعجيل الصلاة وتأخيرها :يسن تعجيل صلاة الأضحى فی أول وقتها بحيث يوافق الحجاج بمنی فی ذبحهم، وتأخير صلاة الفطر عن أول وقتها قليلا، لما روى الشافعي مرسلا أن النبی صلى الله عليه وسلم كتب إلى عمرو بن حزم، وهو بنجران :أن عجل الأضحى، وأخر الفطر، وذكر الناس ولأنه يتسع لذلك وقت الأضحية، ووقت صدقة الفطر(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحيلی، ج۲، ص ۱۳۹۱، القسم الأول :العبادات،الباب الثانی :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

اورحنابلہ کےنزدیک بھی اگرکوئی قضاء کرنا چاہے،تو اسے چار رکعات ایک یادوسلام کے ساتھ اپنے مقام پررہ کر پڑھنا درست ہے،ضروری نہیں۔ [1]

---

[1] حكمها بعد خروج وقتها:

لفوات صلاة العيد عن وقتها ثلاث صور:

الصورة الأولى :أن تؤدى صلاة العيد جماعة فى وقتها من اليوم الأول ولكنها فاتت بعض الأفراد، وحكمها فى هذه الصورة أنها فاتت إلى غير قضاء ، فلا تقضى مهما كان العذر؛ لأنها صلاة خاصة لم تشرع إلا فى وقت معين وبقيود خاصة، فلا بد من تكاملها جميعا، ومنها الوقت .وهذا عند الحنفية والمالكية.

وأما الشافعية :فقد أطلقوا القول بمشروعية قضائها -على القول الصحيح فى المذهب -فى أى وقت شاء وكيفما كان :منفردا أو جماعة، وذلك بناء على أصلهم المعتمد، وهو أن نوافل الصلاة كلها يشرع قضاؤها .

وأما الحنابلة :فقالوا :لا تقضى صلاة العيد، فإن أحب قضاء ها فهو مخير إن شاء صلاها أربعا، إما بسلام واحد، وإما بسلامين.

الصورة الثانية :أن لا تكون صلاة العيد قد أديت جماعة فى وقتها من اليوم الأول، وذلك إما بسبب عذر :كأن غم عليهم الهلال وشهد شهود عند الإمام برؤية الهلال بعد الزوال، وإما بدون عذر.

ففى حالة العذر يجوز تأخيرها إلى اليوم الثانى سواء كان العيد عيد فطر أو أضحى؛ لأنه قد ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم :أن قوما شهدوا برؤية الهلال فى آخر يوم من أيام رمضان، فأمر عليه الصلاة والسلام بالخروج إلى المصلى من الغد.

وهذا عند الحنفية والشافعية والحنابلة فيشرع قضاء صلاة العيد فى اليوم الثانى عند تأخر الشهادة برؤية الهلال، أما المالكية :فقد أطلقوا القول بعدم قضائها فى مثل هذه الحال.

إلا أن الشافعية لا يعتبرون صلاتها فى اليوم الثانى قضاء إذا تأخرت الشهادة فى اليوم الذى قبله إلى ما بعد غروب الشمس .بل لا تقبل الشهادة حينئذ ويعتبر اليوم الثانى أول أيام العيد، فتكون الصلاة قد أديت فى وقتها .

الصورة الثالثة :أن تؤخر صلاة العيد عن وقتها بدون العذر الذى ذكرنا فى الصورة الثانية .فينظر حينئذ :إن كان العيد عيد فطر سقطت أصلا ولم تقض .وإن كان عيد أضحى جاز تأخيرها إلى ثالث أيام النحر، أى يصح قضاؤها فى اليوم الثانى، وإلا ففى اليوم الثالث من ارتفاع الشمس فى السماء إلى أول الزوال، سواء كان ذلك لعذر أو لغير عذر ولكن تلحقه الإساءة إن كان غير معذور بذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۴۴و۲۴۵، مادة"صلاة العيدين")

هل تقضى صلاة العيد وهل تصلى منفردا؟ للفقهاء رأيان:

قال الحنفية والمالكية :من فاتته صلاة العيد مع الإمام، لم يقضها؛ لفوات وقتها، والنوافل لا تقضى،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جب نمازِ عید فاسد ہو جائے، تو اس کے بعد اگر وقت موجود ہو، تو اس کو دوبارہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولأنها لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد، فلو أمكنه الذهاب لإمام آخر فعل، لأنها تؤدى بمواضع اتفاقا .ولا تجوز للمنفرد وإنما تصلى جماعة.

وقال الشافعية والحنابلة :من فاتته صلاة العيد مع الإمام، سن له قضاؤها على صفتها، لفعل أنس، ولأنه قضاء صلاة، فكان على صفتها كسائر الصلوات .وله قضاؤها متى شاء فى العيد وما بعده متى اتفق، والأفضل قضاؤها فى بقية اليوم.

وتجوز صلاة العيد للمنفرد والعبد والمسافر والمرأة، كما بينا(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲،ص ۱۳۹۲ ،القسم الأول :العبادات،الباب الثانى :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

المدرك عند الشافعية والحنابلة :إن أدرك المصلى الإمام فى الخطبة، صلى تحية المسجد ثم جلس فسمعها، ولو كان بمسجد، ثم صلى العيد متى شاء ، قبل الزوال أو بعده على صفتها، ولو منفردا أو بجماعة دون أربعين؛ لأنها عند الشافعية نفل، فجاز للمنفرد فعلها كصلاة الكسوف، وتصير عند الحنابلة القائلين بفرضيتها تطوعا لسقوط فرض الكفاية بالطائفة الأولى .

وإن أدرك المرء الإمام فى التشهد، جلس معه، فإذا سلم الإمام، قام فصلى ركعتين، يأتى فيهما بالتكبير؛ لأنه أدرك بعض الصلاة التى ليست مبدلة من أربع، فقضاها على صفتها كسائر الصلوات.

صلاتها فى اليوم الثانى إذا تأخر إثبات العيد لما بعد الزوال:

إذا لم يعلم قوم بالعيد إلا بعد زوال الشمس (أى ظهر العيد)،أو غم الهلال على الناس، فشهدوا عند الإمام برؤية الهلال بعد الزوال، أو حصل عذر مانع كمطر شديد، ففى جواز صلاة العيد فى اليوم التالى رأيان:

قال المالكية :لا تصلى من الغد، ولا تنوب عن صلاة الجمعة؛ لفوات وقتها.

وقال الجمهور :تصلى فى اليوم التالى من الغد، وفى عيد الأضحى إلى ثلاثة أيام، لما روى أبو عمير بن أنس عن عمومة له من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :غم علينا هلال شوال، فأصبحنا صياما، فجاء ركب فى آخر النهار، فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمر النبى صلى الله عليه وسلم الناس أن يفطروا من يومهم، وأن يخرجوا غدا لعيدهم أى إلى المصلى كما فى رواية البيهقى.

وهذا هو الراجح، قال أبو بكر الخطيب :سنة النبى صلى الله عليه وسلم أولى أن تتبع، وحديث أبى عمير صحيح، فالمصير إليه واجب، وكالفرائض.

وإن شهد اثنان برؤية هلال شوال ليلة الحادى والثلاثين صلوا بالاتفاق فى الغد، ولا يكون ذلك قضاء ؛ لأن فطرهم غدا، لما روت عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :فطركم يوم تفطرون، وأضحاكم يوم تضحون، وعرفتكم يوم تعرفون (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲، ص ۱۳۹۲و۱۳۹۳ ،القسم الأول :العبادات،الباب الثانى :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

پڑھنا جائز ہے۔ [1]

نمازِ عید کا طریقہ اور چند متعلقہ مسائل

نمازِ عید سے متعلق چند باتوں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

ایک تو یہ کہ نمازِ عید کی دو رکعتیں ہیں، اور عید کی نماز سے پہلے اذان اور اقامت نہیں ہے۔

دوسرے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز کا جماعت سے اداء کرنا واجب ہے۔

تیسرے، عید کی نماز میں قرائت، جہراً یعنی بلند آواز سے کرنے کا حکم ہے، جو حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اور باقی فقہاء کے نزدیک واجب نہیں، بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

چوتھے عید کی نماز میں، دوسری نمازوں کے مقابلے میں کچھ زائد تکبیرات ہیں۔

---

[1] مفسدات صلاة العيد:

لصلاة العيد مفسدات مشتركة ومفسدات خاصة.

أما مفسداتها المشتركة :فهي مفسدات سائر الصلوات .(راجع :صلاة)

وأما مفسداتها الخاصة بها، فتلخص في أمرين:

الأول :أن يخرج وقتها أثناء أدائها بأن يدخل وقت الزوال، فتفسد بذلك .قال ابن عابدين :أي يفسد وصفها وتنقلب نفلا، اتفاقا إن كان الزوال قبل القعود قدر التشهد، وعلى قول الإمام أبي حنيفة إن كان بعده.

الثاني :انفساخ الجماعة أثناء أدائها.

فذلك -أيضا -من مفسدات صلاة العيد .وهل يشترط لفسادها أن تفسخ الجماعة قبل أن تقيد الركعة الأولى بالسجدة، أم تفسد مطلقا؟ يرد في ذلك خلاف وتفصيله في مفسدات صلاة الجمعة (ر :صلاة الجمعة) . وخالف المالكية والشافعية بالنسبة لانفساخ الجماعة .

ما يترتب على فسادها:

قال صاحب البدائع :إن فسدت صلاة العيد بما تفسد به سائر الصلوات من الحدث العمد وغير ذلك، يستقبل الصلاة على شرائطها، وإن فسدت بخروج الوقت، أو فاتت عن وقتها مع الإمام سقطت ولا يقضيها عندنا .

وسائر الأئمة متفقون على أن صلاة العيد إذا فسدت بما تفسد به سائر الصلوات الأخرى، تستأنف من جديد.

أما إن فسدت بخروج الوقت فقد اختلفوا في حكم قضائها أو إعادتها، وقد مر تفصيل البحث في ذلك عند الكلام على وقت صلاة العيد ف وما بعدها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ٢٤٩، مادة"صلاة العيدين")

اور یہ زائد تکبیرات، حنفیہ کے نزدیک واجب ہیں، اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کے نزدیک واجب نہیں، بلکہ سنت ہیں۔

پھر حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز میں مجموعی طور پر چھ زائد تکبیرات ہیں، تین تکبیرات پہلی رکعت میں، اور تین تکبیرات دوسری رکعت میں۔

اور شافعیہ کے نزدیک، عید کی نماز میں مجموعی طور پر بارہ زائد تکبیرات ہیں، ان کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیرات ہیں، جو تکبیرِ تحریمہ کے بعد اور قرائت شروع کرنے سے پہلے کہی جاتی ہیں، اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں، وہ بھی دوسری رکعت کے شروع میں قرائت سے پہلے کہی جاتی ہیں۔

اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک، عید کی نماز میں مجموعی طور پر گیارہ زائد تکبیرات ہیں، ان کے نزدیک پہلی رکعت میں چھ تکبیرات ہیں، جو تکبیرِ تحریمہ کے بعد قرائت سے پہلے کہی جاتی ہیں، اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں، جو دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بعد، قرائت سے پہلے کہی جاتی ہیں۔ [1]

---

[1] كيفية أدائها:

أولا -الواجب من ذلك:

صلاة العيد، لها حكم سائر الصلوات المشروعة؛ فيجب ويفرض فيها كل ما يجب ويفرض فى الصلوات الأخرى.

ويجب فيها -زيادة على ذلك -ما يلى:

أولا - :أن تؤدى فى جماعة وهو قول الحنفية والحنابلة.

ثانيا - :الجهر بالقراء ة فيها، وذلك للنقل المستفيض عن النبى صلى الله عليه وسلم.

ثالثا :أن يكبر المصلى ثلاث تكبيرات زوائد بين تكبيرة الإحرام والركوع فى الركعة الأولى، وأن يكبر مثلها -أيضا -بين تكبيرة القيام والركوع فى الركعة الثانية.

وسيان (بالنسبة لأداء الواجب) أن تؤدى هذه التكبيرات قبل القراء ة أو بعدها، مع رفع اليدين أو بدونهما، ومع السكوت بين التكبيرات أو الاشتغال بتسبيح ونحوه .

أما الأفضل فسنتحدث عنه عند البحث فى كيفيتها المسنونة.

فمن أدرك الإمام بعد أن كبر هذه التكبيرات :فإن كان لا يزال فى القيام كبر المؤتم لنفسه بمجرد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عید کی نماز کی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورت ملائی جاتی ہے۔ کوئی مخصوص سورت ضروری نہیں، البتہ عید کی نماز میں بعض سورتیں افضل ہیں۔ ل

حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز کا طریقہ

حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ تکبیریں زیادہ ہیں، تین پہلی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الدخول فی الصلاة، وتابع الإمام .أما إذا أدركه راكعا فليركع معه، وليكبر تكبيرات الزوائد أثناء ركوعه بدل من تسبيحات الركوع.

وهذه التكبيرات الزائدة قد خالف فی وجوبها المالكية والشافعية والحنابلة، ثم اختلفوا فی عدد هذه التكبيرات ومكانها.

فالشافعية قالوا :هی سبع فی الركعة الأولی بين تكبيرة الإحرام وبدء القراء ة، وخمس فی الركعة الثانية بين تكبيرة القيام وبدء القراء ة أيضا.

وذهب المالكية والحنابلة إلی أنها ست تكبيرات فی الركعة الأولی عقب تكبيرة الإحرام، وخمس فی الثانية عقب القيام إلی الركعة الثانية أی قبل القراء ة فی الركعتين .

والجهر بالقراء ة واجب عند الحنفية فقط .واتفق الجميع علی مشروعيته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۴۶ ،مادة"صلاة العيدين")

ل خامسا۔ كيفية صلاة العيد أو صفتها :صلاة العيد ركعتان بالاتفاق، لقول عمر رضی الله عنه : صلاة الأضحی ركعتان، وصلاة الفطر ركعتان، وصلاة السفر ركعتان، وصلاة الجمعة ركعتان تمام غير قصر علی لسان نبيكم، وقد خاب من افتری وهی تشمل بعد الإحرام علی تكبيرات :ثلاث عند الحنفية، وست فی الأولی وخمس فی الثانية عند المالكية والحنابلة، وسبع فی الأولی وخمس فی الثانية عند الشافعية قبل القراء ة فی الركعتين إلا عند الحنفية فی الركعة الثانية يكون التكبير بعد القراء ة، ويندب بعد الفاتحة قراء ة سورتين هما عند الجمهور :(سبح اسم ربک الأعلی) و (الغاشية)

ولكن عند المالكية يقرأ فی الثانية سورة (والشمس)ونحوها، وعند الشافعية :(ق)و (اقتربت) .ولا يؤذن لها ولا يقام، لما روی عن ابن عباس رضی الله عنهما قال :شهدت العيد مع رسول الله صلی الله عليه وسلم ومع أبی بكر وعمر وعثمان رضی الله عنهم، فكلهم صلی قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة والسنة أن ينادی لها :الصلاة جامعة لما روی عن الزهری أنه كان ينادی به وقياسا علی صلاة الكسوف.

ويبدأ بها عند الجمهور غير المالكية بالنية بقلبه ولسانه فيقول :(أصلی صلاة العيد لله تعالی) إماما أو مقتديا، ويأتی بعد الإحرام بدعاء الافتتاح أو الثناء (الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج۲،ص ۱۳۹۵ ،القسم الأول :العبادات،الباب الثانی :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

رکعت میں ثناء کے بعد اور سورہ فاتحہ سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرائت کے بعد اور رکوع سے پہلے۔

اور حنفیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں تین زائد تکبیرات قرائت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرائت کے بعد میں ہیں، اور اس طرح دونوں رکعتوں میں قرائت پے در پے ہے، دونوں سورتوں کی قراءت کے درمیان زائد تکبیرات حائل نہیں ہیں۔

اور اگر تکبیرِ تحریمہ اور دونوں رکعتوں کی رکوع کی تکبیرات کو بھی ان چھ زائد تکبیرات کے ساتھ شمار کیا جائے، تو مجموعی طور پر نو اور تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ آٹھ تکبیرات بن جاتی ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلے دل میں عیدالفطر کی دو رکعت چھ زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھنے کی نیت کرے۔

پھر عام نمازوں کی طرح تکبیرِ تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، اور ثناء (یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ الخ) پڑھے، پھر وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر "اللہ اکبر" کہے، پہلی اور دوسری مرتبہ "اللہ اکبر" کہنے کے ساتھ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے، اور تیسری مرتبہ "اللہ اکبر" کہنے کے بعد ہاتھ باندھ لے، اور امام کو چاہئے کہ ہر دفعہ "اللہ اکبر" کہنے کے بعد کم از کم اتنی دیر ٹھہرے، جتنی دیر تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" کہنے میں لگتی ہے، مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس سے زیادہ بھی وقفہ کیا جاسکتا ہے۔

پہلی رکعت میں تین مرتبہ "اللہ اکبر" کہنے کے بعد امام "اَعُوْذُ بِاللہ" اور "بِسْمِ اللہ" پڑھ کر عام نمازوں کی طرح اونچی آواز سے سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ پہلی رکعت مکمل کرے۔

پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر حسبِ قاعدہ سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے، اور پھر قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے اسی طرح ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ "اللہ اکبر" کہے جیسے پہلی رکعت میں کہا تھا اور تینوں مرتبہ ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے۔

پھر چوتھی مرتبہ ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دوسجدوں اور قعدہ کے ساتھ اور سلام پھیر کر نماز مکمل کرے۔ [1]

---

[1] وأما بيان كيفية أداء صلاة العيدين فنقول يصلى الإمام ركعتين فيكبر تكبيرة الافتتاح ويقول سبحانك اللهم وبحمدك إلى آخره ثم يكبر ثلاثا ثم يقرأ جهرا ثم يكبر تكبيرة الركوع فإذا قام إلى الثانية يقرأ أولا ثم يكبر ثلاثا ويركع بالرابعة فتكون التكبيرات الزوائد ستا ثلاثة فى الركعة الأولى وثلاثة فى الركعة الثانية وثلاثة أصليات تكبيرة الافتتاح وتكبيرات الركوع فصار حاصل الجواب عندنا أن يكبر فى صلاة العيدين تسع تكبيرات ستة فى الزوائد وثلاثة أصليات،ويوالى بين القراء تين فيقرأ فى الركعة الأولى بعد التكبيرات وفى الثانية قبل التكبيرات،وهذا هو مذهب عبد الله بن مسعود وحذيفة بن اليمان وعقبة بن عامر الجهنى وأبى موسى الأشعرى وأبى هريرة وابن مسعود الأنصارى رضى الله عنهم(تحفة الفقهاء، ج ١ ص١٦٧،كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

كيفيتها فى المذاهب:

الحنفية :ينادى (الصلاة جامعة)، ثم ينوى المصلى إماما أو مقتديا صلاة العيد بقلبه ولسانه قائلا : (أصلى صلاة العيد لله تعالى) إماما للإمام، ومقتديا للمؤتمين، ثم يكبر تكبيرة الإحرام ثم يضع يديه تحت سرته، ثم يقرأ الإمام والمؤتم الثناء :(سبحانك اللهم وبحمدك ..الخ)، ثم يكبر الإمام والقوم ثلاثا تسمى تكبيرات الزوائد، لزيادتها على تكبيرة الإحرام والركوع، رافعا يديه فى كل منها، ثم يرسلها، ويسكت بعد كل تكبيرة مقدار ثلاث تسبيحات، ولا يسن ذكر معين، ولابأس بأن يقول :(سبحان الله والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر)، ثم توضع اليدان تحت السرة.

ثم يتعوذ الإمام ويسمى سرا، ثم يقرأ جهرا الفاتحة، وسورة بعدها، وندب أن تكون سورة (الأعلى) تماما، ثم يركع الإمام والقوم.

فإذا قام للركعة الثانية :ابتدأ بالبسملة، ثم بالفاتحة، ثم بالسورة ليوالى بين القراء تين، وهو الأفضل عندهم، وندب أن تكون سورة (الغاشية)

ثم يكبر الإمام والقوم تكبيرات الزوائد ثلاثا مع رفع اليدين كما فى الركعة الأولى، لأثر ابن مسعود، قال :يكبر تكبيرة، ويفتتح به الصلاة، ثم يكبر بعدها ثلاثا، ثم يقرأ، ثم يكبر تكبيرة، يركع بها، ثم يسجد، ثم يقوم، فيقرأ، ثم يكبر ثلاثا، ثم يكبر تكبيرة، يركع بها ، ثم تتم الركعة الثانية إلى السلام.

فإن قدم التكبيرات فى الثانية على القراء ة جاز، وكذا إذا كبر زيادة على الثلاث إلى ست عشرة تكبيرة، فإذا زاد لا يلزم المؤتم المتابعة.

وإن نسى الإمام التكبيرات وركع، فإنه يعود ويكبر، ولا يعيد القراء ة، ويعيد الركوع.

أما المسبوق الذى سبقه الإمام :فإن كان قبل التكبيرات الزوائد، يتابع الإمام على مذهبه، ويترك رأيه .وإن أدركه بعدما كبر الإمام الزوائد وشرع فى القراء ة، فإنه يكبر تكبيرة الافتتاح، ويأتى بالزوائد برأى نفسه لا برأى الإمام؛ لأنه مسبوق.

وإن أدرك الإمام فى الركوع :فإن لم يخف فوت الركعة مع الإمام، يكبر للافتتاح قائما، ويأتى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مالکیہ کے نزدیک عید کی نماز کا طریقہ

مالکیہ کے نزدیک بھی عید کی نماز کا طریقہ، حنفیہ کی طرح ہے، صرف تکبیرات کا فرق ہے۔
اور مالکیہ کے نزدیک، تکبیرات پے در پے اور لگا تار کہنا مستحب ہے، البتہ امام کے لیے ہر تکبیر کے بعد اتنا انتظار کرنا مستحب ہے کہ مقتدی بھی تکبیر کہہ لیں۔
اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق، صرف تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے، اور باقی تکبیرات میں ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے۔
نیز مالکیہ کے نزدیک، عید کی زائد تکبیرات سنتِ مؤکدہ ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالزوائد، ثم يتابع الإمام فى الركوع .وإن خاف إن كبر أن يرفع الإمام رأسه من الركوع، كبر للافتتاح، ثم كبر للركوع، وركع؛ لأنه لو لم يركع يفوته الركوع والركعة، وهذا لايجوز .ثم إذا ركع يكبر تكبيرات العيد فى الركوع عند أبى حنيفة ومحمد؛ لأن للركوع حكم القيام .وقال أبو يوسف .لا يكبر؛ لأنه فات عن محله، وهو القيام، فيسقط كالقنوت.

وعلى الرأى الأول الراجح :إن أمكنه الجمع بين التكبيرات والتسبيحات جمع بينهما، وإن لم يمكنه الجمع بينهما يأتى بالتكبيرات دون التسبيحات؛ لأن التكبيرات واجبة، والتسبيحات سنة، والاشتغال بالواجب أولى .فإن رفع الإمام رأسه من الركوع قبل أن يتمها رفع رأسه؛ لأن متابعة الإمام واجبة، وسقط عنه ما بقى من التكبيرات؛ لأنه فات محلها.

هذا إذا أدرك الإمام فى الركعة الأولى .فإن أدركه فى الركعة الثانية، كبر للافتتاح، وتابع إمامه فى الركعة الثانية، فإذا فرغ الإمام من صلاته، قام إلى قضاء ما سبق به، متبعا رأى نفسه؛ لأنه منفرد فيما يقضى، بخلاف اللاحق؛ لأنه فى الحكم كأنه خلف الإمام.

وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة إذا اجتمعتا، وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲، ص۱۳۹۷و۱۳۹۸، القسم الأول :العبادات، الباب الثانى :الصلاة، الفصل العاشر، المبحث الرابع)

[1] المالكية :كالحنفية فى أداء صلاة العيد ركعتين جهرا بلا أذان ولا إقامة، واستحباب قراءة (سبح) ونحوها، وسورة (والشمس)ونحوها، إلا أن التكبير فى الركعة الأولى ست بعد تكبيرة الإحرام، وفى الثانية خمس غير تكبيرة القيام، قبل القراءة ندبا، فإن أخر التكبير عن القراءة صح، وخالف المندوب .ولا يتبع المؤتم الإمام فى التأخير عن القراءة ولا فى الزيادة عن هذا القدر.
ودليلهم على عدد التكبير عمل أهل المدينة، وقول ابن عمر :شهدت الأضحى والفطر مع أبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز کا طریقہ

شافعیہ کے نزدیک بھی، عید کی نماز کا طریقہ، حنفیہ کی طرح ہے،، صرف تکبیرات کا فرق ہے۔
اور مالکیہ کے نزدیک تمام تکبیرات کے موقع پر رفع یدین کا حکم ہے، اور ہر تکبیر کے درمیان ایک معتدل آیت کے بقدر وقفہ کرنے کا حکم ہے، جس میں تہلیل اور تکبیر اور تمجید پڑھی جائے گی۔
اوران کے نزدیک یہ زائد تکبیرات سنت ہیں، جن کے ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هريرة، فكبر فى الأولى سبع تكبيرات قبل القراء ة، وفى الآخرة خمسا قبل القراء ة.
ويندب موالاة التكبير إلا الإمام فيندب له الانتظار بعد كل تكبيرة، حتى يكبر المقتدون به، ويرفع يديه فى تكبيرة الإحرام فقط، ولا يرفع يديه مع التكبيرات فى المشهور، ويكره الرفع .ويسكت المكبر .ويكره أن يقول شيئا من تسبيح أو تحميد أو تهليل أو غيرها.
والتكبيرات سنة مؤكدة، فلو نسى الإمام شيئا منها، وتذكره فى أثناء قراء ته أوبعدها، كبر، ما لم يركع، وأعاد القراء ة، وسجد بعد السلام سجود السهو، لزيادة القراء ة الأولى.
وإن تذكره بعد أن ركع، استمر فى صلاته وجوبا، ولا يرجع له، إذ لا يرجع من فرض لنفل، وإلا بطلت الصلاة، ويسجد الإمام للسهو ولو لترك تكبيرة واحدة، إذ كل تكبيرة منها سنة مؤكدة.
وأما المؤتم فالإمام يحمله عنه.
وإذا لم يسمع المقتدى تكبير الإمام تحرى تكبيره وكبر.
والمسبوق :لا يكبر ما فاته أثناء تكبير الإمام، ويكمل ما فاته بسبب تأخر اقتدائه بعد فراغ الإمام منه، وإذا اقتدى بالإمام أثناء القراء ة بعد التكبير، فإنه يأتى بالتكبير بعد إحرامه، سواء فى الركعة الأولى أو الثانية .ويأتى بست تكبيرات فى الأولى، وبخمس فى الثانية .وإذا فاتته الركعة الأولى يقضيها ستا غير تكبيرة القيام، وإن أدرك مع الإمام أقل من ركعة، قضى ركعتين بعد سلام الإمام، يكبر فى الأولى ستا، وفى الثانية خمسا(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى،ج۲،ص ۱۳۹۹،القسم الأول :العبادات،الباب الثانى :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

[1] الشافعية :هم كالحنفية فى دعاء الافتتاح والتعوذ والجهر بالقراء ة، إلا أن التكبير عندهم سبع فى الأولى، خمس فى الثانية، قبل القراء ة مع رفع اليدين فى الجميع، يقف بين كل ثنتين كآية معتدلة، يهلل ويكبر ويمجد (أى يعظم الله)، واضعا يمناه على يسراه بينهما، تحت صدره، ويحسن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز کا طریقہ

حنابلہ کے نزدیک بھی عید کی نماز کا طریقہ، دیگر جمہور فقہائے کرام کے طریقے کے مطابق ہے، صرف تکبیرات کا فرق ہے۔

اوران کے نزدیک ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا حکم ہے۔

اور ہر تکبیر کے بعد، تکبیر، تحمید اور تسبیح اور درود شریف پڑھنے کا حکم ہے، لیکن دونوں رکعتوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی ذلک الباقیات الصالحات :(سبحان الله والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر) ثم يتعوذ ويقرأ .والتكبير ليس فرضا ولا بعضا من أبعاض الصلاة، وإنما هو سنة أو هيئة كالتعوذ ودعاء الافتتاح، فلا يسجد للسهو لتركهن عمدا ولا سهوا، وإن كان الترك لكلهن أو بعضهن مكروها.
ولو نسيها المصلي وتذكرها قبل الركوع، وشرع في القراء ة، ولو لم يتم الفاتحة، لم يتداركها، وفاتت في المذهب الجديد لفوات محله، فلو عاد لم تبطل صلاته، ولو عاد إلى القيام في الركوع أوبعده ليكبر، فإن صلاته تبطل إن كان عالما متعمدا .والجهل كالنسيان.
ولو زاد الإمام عن عدد التكبير لا يتابعه المأموم، وإذا ترك الإمام التكبير تابعه المأموم في تركه، فإن فعل بطلت صلاته إذا رفع يديه ثلاث مرات متوالية؛ لأنه فعل كثير تبطل به الصلاة، وإلا فلا تبطل .وإذا كبر الإمام أقل من هذا العدد تابعه المؤتم .والمسبوق ببعض الصلاة يكبر إذا فرغ من قضاء ما فاته.
ودليلهم على عدد التكبير :ما رواه الترمذي وحسنه :أنه صلى الله عليه وسلم كبر في العيدين في الأولى سبعا قبل القراء ة، وفي الثانية خمسا قبل القراء ة.
ودليلهم على التسبيح والتحميد بين التكبيرات :ما رواه البيهقي عن ابن مسعود قولا وفعلا، وقال أبو موسى الأشعري وحذيفة :صدق .وهي الباقيات الصالحات، قال تعالى :(والباقيات الصالحات خير عند ربك ثوابا وخير أملا)وهي عند ابن عباس وجماعة.
ودليلهم على رفع اليدين :ما روي أن عمر رضي الله عنه كان يرفع يديه في كل تكبيرة في العيد.
والسنة أن يقرأ بعد الفاتحة في الركعة الأولى :(ق)، وفي الثانية :(اقتربت)، بكمالهما جهرا، بدليل ما رواه أبو واقد الليثي :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الفطر والأضحى بـ (ق والقرآن المجيد)، و (اقتربت الساعة)، والجهر بالقراء ة لنقل الخلف عن السلف.
ولو قرأ في الأولى :(سبح اسم ربك الأعلى)، وفي الثانية :(هل أتاك حديث الغاشية) ، كان سنة أيضا، لثبوته أيضا في صحيح مسلم .وله أن يقرأ أيضا في الأولى (الكافرون)وفي الثانية (الإخلاص)
(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج٢، ص ١٤٠٠ و ١٤٠١، القسم الأول :العبادات، الباب الثاني: الصلاة، الفصل العاشر، المبحث الرابع)

میں آخری تکبیر کے بعد کوئی ذکر نہیں ہے۔ ل

عید کے خطبہ کا حکم

عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ کی طرح فرض نہیں، البتہ عید کا خطبہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے، اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ ۲

ل الحنابلة :هم كالجمهور غير المالكية فى دعاء الافتتاح والتعوذ قبل القراء ة، وكالمالكية فى عدد التكبير :فى الأولى ستا زوائد، وفى الثانية خمسا، لما روى أحمد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده :أن النبى صلى الله عليه وسلم كبر فى عيد ثنتى عشرة تكبيرة، سبعا فى الأولى، وخمسا فى الآخرة وعدوا السبع مع تكبيرة الإحرام، خلافا للشافعية.

ويرفع يديه مع كل تكبيرة، لحديث وائل بن حجر :أنه صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه فى التكبير ويقول بين كل تكبيرتين زائدتين :الله أكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، وسبحان الله بكرة وأصيلا، وصلى الله على محمد وآله وسلم تسليما كثيرا لحديث ابن مسعود السابق فى رأى الشافعية .وإن أحب قال غير ذلك من الذكر؛ إذ ليس فيه ذكر مؤقت أى محدود .ولا يأتى بعد التكبيرة الأخيرة فى الركعتين بذكر أصلا.

والتكبير والذكر بين التكبيرات كما قال الشافعية :سنة، وليس بواجب، ولا تبطل الصلاة بتركه عمدا ولا سهوا .فإن نسى التكبير وشرع فى القراء ة، لم يعد إليه، لأنه سنة فات محلها، كما لو نسى الاستفتاح أو التعوذ، حتى شرع فى القراء ة، أو نسى قراء ة سورة حتى ركع.

كذلك لا يأتى بالتكبير إن أدرك الإمام قائما بعد التكبير الزائد أو بعضه، لفوات محله، كما لو أدرك الإمام راكعا .والمسبوق ولو بنوم أو غفلة ببعض صلاته يكبر إذا فرغ من قضاء ما فاته، وهو قول أكثر أهل العلم، ويعمل فى القضاء بمذهبه، ودليلهم عموم قوله صلى الله عليه وسلم :ما أدركتم فصلوا، ومافاتكم فاقضوا.

ويقرأ فى الركعة الأولى بعد الفاتحة بسبح، وفى الثانية بعد الفاتحة بالغاشية لحديث سمرة بن جندب أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقرأ فى العيدين بسبح اسم ربك الأعلى، وهل أتاك حديث الغاشية ؛لأن فى سورة (الأعلى)حثا على الصدقة والصلاة فى قوله (قد أفلح من تزكى، وذكر اسم ربه فصلى)

ويجهر بالقراء ة، لما روى الدارقطنى عن ابن عمر قال :كان النبى صلى الله عليه وسلم يجهر بالقراء ة فى العيدين والاستسقاء (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲،ص ۱۴۰۲ و۱۴۰۳،القسم الأول :العبادات،الباب الثانى :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

۲ سادسا ـ خطبة العيد :

تسن عند الجمهور وتندب عند المالكية خطبتان للعيد كخطبتى الجمعة فى الأركان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والشروط والسنن والمكروهات، بعد صلاة العيد خلافا للجمعة، بلا خلاف بين المسلمين، يذكر الإمام فى خطبة عيد الفطر بأحكام زكاة الفطر .

لقوله صلى الله عليه وسلم :أغنوهم عن السؤال فى هذا اليوم، وفى عيد الأضحى بأحكام الأضحية وتكبيرات التشريق ووقوف الناس بعرفة وغيرها، تشبها بالحجاج، وما يحتاجون إليه فى يومهم، ويحسن تعليمهم ذلک فى خطبة الجمعة السابقة على العيد .وإذا صعد على المنبر لا يجلس عند الحنفية، ويجلس عند الحنابلة والمالكية والشافعية ليستريح.

ودليل سنية الخطبة :التأسى بالنبى صلى الله عليه وسلم وبخلفائه الراشدين فلا يجب حضورها ولا استماعها، لما روى عطاء عن عبد الله بن السائب قال :شهدت مع النبى صلى الله عليه وسلم العيد، فلما انقضت الصلاة، قال :إنا نخطب، فمن أحب أن يجلس للخطبة، فليجلس، ومن أحب أن يذهب فليذهب ولو ترک الخطبة جازت صلاة العيد.

وكونها بعد الصلاة اتباعا للسنة أيضا، فإن ابن عمر قال :إن النبى صلى الله عليه وسلم وأبا بكر وعمر وعثمان كانوا يصلون العيدين قبل الخطبة فلو خطب الإمام قبل الصلاة صح عند الحنفية وأساء ، لترک السنة، لأن التأخير سنة.

ويبدأ الخطيب خطبته بالتكبير، كما يكبر فى أثنائها، من غير تحديد عند المالكية، وقيل عندهم :سبعا فى أولها .وعند الجمهور :يكبر فى الخطبة الأولى تسع تكبيرات متوالية، وفى الثانية :يكبر فى الثانية بسبع متوالية أيضا، لما روى سعيد بن منصور عن عبيد الله بن عتبة، قال :كان يكبر الإمام يومى العيد قبل أن يخطب تسع تكبيرات، وفى الثانية :سبع تكبيرات ويستحب عند الحنفية أيضا أن يكبر الإمام قبل نزوله من المنبر أربع عشرة مرة، ويندب للإمام بعد فراغه من الخطبة أن يعيدها لمن فاته سماعها، ولو نساء ، اتباعا للسنة، رواه الشيخان.

ويلاحظ أن الخطب المشروعة عشر :خطبة الجمعة، والعيدين، والكسوفين، والاستسقاء ، والزواج، وأربع فى الحج عند الشافعية، وثلاث عند الحنفية، وكلها بعد الصلاة إلا خطبتى الجمعة وعرفة فقبلها، وخطبة الزواج لا تقترن بصلاة، وكل منها ثنتان إلا الثلاثة الباقية فى الحج عند الشافعية ما عدا خطبة عرفة، وخطبة النكاح، ففرادى، ويبدأ بالتحميد فى ثلاث :خطبة الجمعة والاستسقاء والزواج، ويبدأ بالتكبير فى خمس أوست :خطبة العيدين، وثلاث أو أربع خطب الحج .إلا التى بمكة وعرفة، يبدأ فيها بالتكبير ثم بالتلبية، ثم بالخطبة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲، ص۱۴۰۴ و ۱۴۰۵ ،القسم الأول :العبادات،الباب الثانى :الصلاة ،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

کچھ دیر کے لئے بیٹھنا چاہئے۔

عید کی نماز کا خطبہ، عید کی نماز کے بعد پڑھنا سنت ہے، اور اس کو خاموشی سے سننا چاہئے۔ [1]

نمازِ عید کی سنن ومندوبات

نمازِ عید میں باقی چیزیں اسی طرح سے سنت اور مستحب ہیں، جس طرح دوسری نمازوں میں ہیں۔ [2]

---

[1] وتختلف خطبة العيد عن خطبة الجمعة فى أمور:
منهــا ــ أن خـطبة الجمعة تكون قبل الصلاة، وخطبة العيد بعد الصلاة، فإذا قدمها لم تصح عند غير الـحنفية، ويندب إعادتها بعد الصلاة .ومـنهـا ـ أن خطبتى الجمعة تبدآن بالحمد لله، وهو شرط أو ركـن عـنـد الشـافـعية والـحنابلة، سنة عند الحنفية، مندوب عند المالكية، أما خطبتا العيدين فيسن افتتاحهما بالتكبير.
ومنهــا ــ يسـن بـالـمستـمـع خـطبة الـعيد عند الحنفية والحنابلة والمالكية أن يكبر سرا عند تكبير الـخـطيـب، أمـا خـطبة الجمعة فيحرم الكلام فيها، ولو ذكرا عند الجمهور، وقال الحنفية :لا يكره الـذكـر فى خطبة الجمعة والعيد على الأصح .ويـحـرم الكلام غير التكبير عند الحنابلة فى كل من خطبة العيد والجمعة.
وقـال الشافعية :الـكـلام مـكـروه لا مـحرم فى خطبة الجمعة والعيد، ولا يكبر الحاضرون فى حال الخطبة، بل يستمعونها.
ومـنهــا ــ أن الـخـطيـب عـنـد الـحنفية خلافا للجمهور لايجلس إذا صعد المنبر، ويجلس فى خطبة الجمعة.
ومـنهــا ــ أن الـخـطيـب عند المالكية إذا أحدث فى أثناء خطبة العيد يستمر ولا يستخلف، بخلاف خطبة الجمعة، فإنه إذا أحدث فيها يستخلف.
ومـنهــا ــ أن خـطبة الـعيـد عـند الشافعية لا يشترط فيها شروط خطبة الجمعة من قيام وطهارة وستر عـورـة وجـلـوس بيـن الـخـطبتيـن، وإنـمـا يسـن ذلک فـقـط(الـفـقـه الاسـلامـى وادلتـهٔ لـلـزحيلـى،ج۲،۱۴۰۵ و۱۴۰۶،القسم الأول :الـعبـادات،البـاب الثـانـى :الـصـلاۃ ،الـفـصل العاشر،المبحث الرابع)
[2] ثانيا :المندوب من ذلک:
يـنـدب فـى صلاة العيدين كل ما يندب فى الصلوات الأخرى :فـعلا كان، أو قراء ة، وتختص صلاة العيدين بمندوبات أخرى نجملها فيما يلى:
أولا -يسن أن يسكت بين كل تكبيرتين من التكبيرات الزوائد قدر ثلاث تسبيحات ولا يسن أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ کے نزدیک فجر کے بعد عید کی نماز سے پہلے گھر یا کسی بھی جگہ کوئی نفل نماز پڑھنا مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ ہے۔

اور عید کی نماز کے بعد جہاں عید کی نماز ادا کی ہے وہاں نفل پڑھنا مکروہ ہے کسی دوسری جگہ یا گھر میں مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ نہیں۔

البتہ قضاء نماز عید سے پہلے پڑھنے میں حرج نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ وہ عید گاہ میں یا مسجد میں دوسروں کے سامنے نہ پڑھی جائے، تاکہ لوگوں کو غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يشتغل بينهما بذكر أو تسبيح.

ثانيا -يسن أن يرفع يديه عند التكبيرات الزوائد إلى شحمة أذنيه، بخلاف تكبيرة الركوع فلا يرفع يديه عندها.

ثالثا -يسن أن يوالي بين القراء ة في الركعتين، وذلك بأن يكبر التكبيرات الزوائد في الركعة الأولى قبل القراء ة، وفي الركعة الثانية بعدها، فتكون القراء تان متصلتين على ذلك.

رابعا -يسن أن يقرأ في الركعة الأولى سورة الأعلى وفي الركعة الثانية سورة الغاشية ولا يلتزمهما دائما كي لا يترتب على ذلك هجر بقية سور القرآن.

خامسا -يسن أن يخطب بعدها خطبتين، لا يختلف في كل منهما في واجباتها وسننها عن خطبتي الجمعة .إلا أنه يستحب أن يفتتح الأولى منهما بتسع تكبيرات متتابعات والثانية بسبع مثلها .

هذا ولا يشرع لصلاة العيد أذان ولا إقامة، بل ينادى لها :الصلاة جامعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۴۶ ،مادة"صلاة العيدين")

[1] (ويكره النفل قبل صلاة العيد) مطلقا ؛ (و) كذا يكره (بعدها في الجباية) أي الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العيد والجمعة ولا فرق في هذا الحكم بين الجبانة والجامع (وينتقل) في غير الجبانة أما (في مسجده) أي مسجد محلته (أو في بيته (منية المصلى ،كتاب الصلاة)

إذا قضى صلاة الفجر قبل صلاة العيد لا بأس به ولو لم يصل صلاة الفجر لا يمنع جواز صلاة العيد وكذا يجوز قضاء الفوائت القديمة قبلها لكن لو قضاها بعدها فهو أحب وأولى(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۰ ، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

وعامة أصحابنا على أنه لا يتطوع قبل صلاة العيد لا في المصلى ولا في بيته، فأول الصلاة في هذا اليوم صلاة العيد والله أعلم(المحيط البرهاني، ج ا ص۲۹۷، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يكره من التطوع)

و "يكره التنفل "قبل "صلاة "العيد ولو "تنفل "في المنزل و "كذا "بعده "أي العيد "في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز سے پہلے اور عید کی نماز کے بعد، نفل نماز پڑھنا سوائے امام کے، کسی کے لیے مکروہ نہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک عید کے دن، عید کی نماز سے پہلے اور عید کی نماز کے بعد، زوال تک نفل پڑھنا مکروہ ہے، بشرطیکہ عید کی نماز، عیدگاہ میں اداء کی گئی ہو، اور اگر مسجد میں اداء کی گئی ہو، تو پھر مکروہ نہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک امام اور مقتدی ہر ایک کے لیے، عید کی نماز سے پہلے اور عید کی نماز کے بعد، صرف اس جگہ نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے، جہاں عید کی نماز پڑھی جائے، اور اس کے علاوہ دوسرے مقام پر نہ عید کی نماز سے پہلے نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے، اور نہ ہی عید کی نماز کے بعد مکروہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المسجد "أى مصلى العيد لا فى المنزل فى اختيار الجمهور لأنه صلى الله عليه وسلم كان لا يصلى قبل العيد شيئا فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين (مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص۷۷، فصل فى الاوقات المكروهة)

قوله" :فى المصلى اتفاقا "فى القهستانى عن المضمرات أنها لا تكره فى ناحية المسجد عند ابن مقاتل فكأنه لم يعتبر خلافه والكراهة تثبت مطلقا ولو فى صلاة الضحى أو تحية المسجد وسواء من تجب عليه صلاة العيد وغيره حتى يكره للنساء أن يصلين الضحى يوم العيد قبل صلاة الإمام كما فى النهر وغيره عن الخانية قوله " :لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ "أى مع حرصه على النوافل فلولا الكراهة لفعل(حاشية الطحاوى على المراقى، ص ۵۳۱، ۵۳۲، كتاب الصلاة)

(ويكره التنفل قبل صلاة العيد) مطلقا ؛(و) كذا يكره (بعدها)اى بعد صلاة العيد، لكن (فى الجبانة)فقط وهى الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العيد والجمعة ولا فرق فى هذا الحكم بين الجبانة والجامع (وينتفل) فى غير الجبانة أما (فى مسجده) أى مسجد محلته (أو فى بيته)لما تقدم من الدليل فى بيان اوقات الكراهة (غنية المستملى فى شرح منية المصلى ، المعروف بشرح الكبير ص۳۶۵، كتاب الصلاة ، كراهية الصلاة)

[1] وذهب الحنفية إلى أنه لا سنة لها قبلية ولا بعدية، ولا تصلى أى نافلة قبلها وقبل الفراغ من خطبتها؛ لأن الوقت وقت كراهة، فلا يصلى فيه غير العيد .أما بعد الفراغ من الخطبة فلا بأس بالصلاة.

وذهب الشافعية إلى أنه لا يكره التنفل قبلها ولا بعدها لما عدا الإمام، سواء صليت فى المسجد أو المصلى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عید کے دن سے متعلق چند سنتیں اور مستحبات وآداب

عید کا دن چونکہ عبادت اور خوشی کے مجموعے کا دن ہے، اس لیے شریعت کی طرف سے اس دن ایسے کام عبادت قرار دیے گئے ہیں جو ان دونوں عناصر کو شامل ہوں؛ یعنی ان میں عبادت کا پہلو بھی ہو، اور خوشی ومسرت کا پہلو بھی ہو۔

چنانچہ احادیث وروایات سے چند اعمال کا سنت ومستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(1)...... عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت وذکر کرنا، اور بطورِ خاص گناہوں سے بچنا۔

(2)...... عید کے دن صبح کو سویرے اُٹھنا، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنا، اور مرد حضرات کو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا۔

(3)...... شریعت کے موافق طہارت و نظافت اور صفائی ستھرائی اور زیب وزینت اختیار کرنا۔

(4)...... خوب اہتمام کے ساتھ میل کچیل دور کر کے غسل کرنا۔

(5)...... خاص اہتمام کے ساتھ مرد وعورت سب کو مسواک کرنا۔

(6)...... فاضل (یعنی زیرِ ناف وبغلوں اور مونچھوں کے) بال اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وغیرہ کاٹنا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفصل المالكية فقالوا :يكره التنفل قبلها وبعدها إلى الزوال، إن أديت فى المصلى ولا يكره إن أديت فى المسجد.

وللحنابلة تفصيل آخر فقد قالوا :لا يتنفل قبل الصلاة ولا بعدها كل من الإمام والمأموم، فى المكان الذى صليت فيه، فأما فى غير موضعها فلا بأس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ٢٤٨ ،مادة"صلاة العيدين")

(7)...... پاک وصاف عمدہ لباس جو میسر ہو پہننا۔

(8)......خوشبو لگانا (مگر خواتین تیز خوشبو لگانے سے پرہیز کریں)

(9)......صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو، تو عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کر دینا۔

(10)......عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا۔

(11)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز ادا کرنے کے لیے پیدل جانا۔

(12)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز، عیدگاہ میں ادا کرنا۔

(13)......عید کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں تکبیر کہنا، اور تکبیر ان الفاظ میں کہنا بہتر ہے:

”اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ“

(14)......عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھا لینا اور اگر یہ میٹھی چیز ہو، تو زیادہ مناسب ہے۔

(15)......جس راستہ سے عید کی نماز کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا۔

(16)......اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق صحیح مستحقین ومساکین کو صدقہ کرنا۔

(17)......حسبِ حیثیت اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کی ضروریات (لباس، اور کھانے پینے وغیرہ) میں وسعت وفراخی کرنا۔

(18)......گھر والوں، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا، اور مبارکباد دینا۔ [1]

---

[1] ولها -أيضا -سنن تتصل بها وهي قبل الصلاة أو بعدها نجملها فيما يلي:
أولا :أن يطعم شيئا قبل غدوه إلى الصلاة إذا كان العيد عيد فطر، ويسن أن يكون المطعوم حلوا كتمر ونحوه، لما روى البخاري أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات.
ثانيا :يسن أن يغتسل ويتطيب ويلبس أحسن ثيابه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عید کے دن کثرت سے تکبیر کا کہنا سنت و مستحب ہے، جس کے الفاظ اور اوقات میں، فقہائے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثالثا :يسن الخروج إلى المصلى ماشيا، فإذا عاد ندب له أن يسير من طريق أخرى غير التى أتى منها .ولا بأس أن يعود راكبا.

ثم إن كان العيد فطرا سن الخروج إلى المصلى بدون جهر بالتكبير فى الأصح عند الحنفية .

رابعا :إن كان أضحى فيسن الجهر بالتكبير فى الطريق إليه.

قال فى الدر المختار :قيل :وفى المصلى أيضا وعليه عمل الناس اليوم .

واتفقت بقية الأئمة مع الحنفية فى استحباب الخروج إلى المصلى ماشيا والعود من طريق آخر، وأن يطعم شيئا يوم عيد الفطر قبل خروجه إلى الصلاة، وأن يغتسل ويتطيب ويلبس أحسن ثيابه.

أما التكبير فى الطريق إلى المصلى فقد خالف الحنفية فى ذلک كل من المالكية والحنابلة، والشافعية، فذهبوا إلى أنه يندب التكبير عند الخروج إلى المصلى والجهر به فى كل من عيدى الفطر والأضحى.

وأما التكبير فى المصلى :فقد ذهبت الشافعية (فى الأصح من أقوال ثلاثة) إلى أنه يسن للناس الاستمرار فى التكبير إلى أن يحرم الإمام بصلاة العيد.

وذهب المالكية -أيضا -إلى ذلک استحسانا .قال العلامة الدسوقى فى حاشيته على الشرح الكبير :وأما التكبير جماعة وهم جالسون فى المصلى فهذا هو الذى استحسن، وهو رأى عند الحنابلة أيضا .

وأما التكبيرات الزوائد فى الصلاة :فقد خالف الحنفية فى استحباب موالاتها، وعدم فصل أى ذكر بينها كل من الحنابلة والشافعية حيث ذهب هؤلاء جميعا إلى أنه يستحب أن يفصل بينها بذكر، وأفضله أن يقول :سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر .أو يقول :الله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله وبحمده بكرة وأصيلا.

كما خالف المالكية فى استحباب رفع اليدين عند التكبيرات الزوائد، فذهبوا إلى أن الأفضل عدم رفع اليدين عند شيء منها .كما خالف المالكية، فى عدد التكبيرات التى يستحب افتتاح الخطبة بها .ويستحب عندهم أن تفتتح الخطبة بالتكبير ولا تحديد للعدد عندهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص۲۴۷و ۲۴۸،مادة"صلاة العيدين")

وأما آدابه فمنها :الاغتسال ويدخل وقته بنصف الليل، والتطيب، والاستياک، ولبس أحسن الثياب .ويسن أن يكون ذلک قبل الصلاة، وأداء فطرته قبل الصلاة.

ومن آداب العيد :إظهار البشاشة والسرور فيه أمام الأهل والأقارب والأصدقاء ، وإكثار الصدقات .قال فى الدر المختار :والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكر.

ونقل ابن عابدين الخلاف فى ذلک ثم صحح القول بأن ذلک حسن لا ينكر، واستند فى تصحيحه هذا إلى ما نقله عن المحقق ابن أمير الحاج من قوله :بأن ذلک مستحب فى الجملة. وقاس على ذلک ما اعتاده أهل البلاد الشامية والمصرية من قولهم لبعض :عيد مبارک .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کرام کے مابین تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذكر الشهاب ابن حجر -أيضا -أن هذه التهنئة على اختلاف صيغها مشروعة.
واحتج له بأن البيهقى عقد له بابا فقال :باب ما روى فى قول الناس بعضهم لبعض فى العيد :تقبل الله منا ومنكم، وساق فيه ما ذكره من أخبار وآثار ضعيفة لكن مجموعها يحتج به فى مثل ذلك، ثم قال الشهاب :ويحتج لعموم التهنئة بسبب ما يحدث من نعمة، أو يندفع من نقمة بمشروعية سجود الشكر، وبما فى الصحيحين عن كعب بن مالك فى قصة توبته لما تخلف فى غزوة تبوك :أنه لما بشر بقبول توبته مضى إلى النبى صلى الله عليه وسلم قام إليه طلحة بن عبيد الله فهنأه .
كما يكره حمل السلاح فيه، إلا أن يكون مخافة عدو مثلا؛ لما ورد فى ذلك من النهى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۵۰،مادة"صلاة العيدين")
ل شعائر وآداب العيد:
أما شعائره فأبرزها :التكبير.
وصيغته :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله، والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد.
وخالفت الشافعية والمالكية، فذهبوا إلى جعل التكبيرات الأولى فى الصيغة ثلاثا بدل ثنتين.
ثم إن هذا التكبير يعتبر شعارا لكل من عيدى الفطر والأضحى، أما مكان التكبير وحكمه وكيفيته فى عيد الفطر فقد مر الحديث عنه ف /12.
وأما حكمه ومكانه فى عيد الأضحى، فيجب التكبير مرة عقب كل فرض أدى جماعة، أو قضى فى أيام العيد، ولكنه كان متروكا فيها، من بعد فجر يوم عرفة إلى ما بعد عصر يوم العيد.
وذهب أبو يوسف ومحمد (وهو المعتمد فى المذهب) إلى أنه يجب بعد كل فرض مطلقا،ولو كان المصلى منفردا أو مسافرا أو امرأة، من فجر يوم عرفة إلى ما بعد عصر اليوم الثالث من أيام التشريق.
أما ما يتعلق بحكم التكبير :فسائر المذاهب على أن التكبير سنة أو سنة مؤكدة وليس بواجب.
والمالكية يشرع التكبير عندهم إثر خمس عشرة صلاة تبدأ من ظهر يوم النحر.
وأما ما يتعلق بنوع الصلاة التى يشرع بعدها التكبير :فقد اختلفت فى ذلك المذاهب:
فالشافعية على أنه يشرع التكبير عقب كل الصلوات فرضا كانت أم نافلة على اختلافها لأن التكبير شعار الوقت فلا يختص بنوع من الصلاة دون آخر.
والحنابلة على أنه يختص بالفروض المؤداة جماعة من صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق، فلا يشرع عقب ما أدى فرادى من الصلوات.
والمالكية على أنه يشرع عقب الفرائض التى تصلى أداء ، فلا يشرع عقب ما صلى من ذلك قضاء مطلقا أى سواء كان متروكات العيد أم لا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۴۹و ۲۵۰،مادة"صلاة العيدين")
سابعا۔ حكم التكبير فى العيدين :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ کے نزدیک عیدُ الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں بلکہ بعض حضرات کے نزدیک عیدگاہ پہنچ کر امام کی آمد سے پہلے بھی تکبیر کہنا سنت ہے، اور دلیل کے لحاظ سے راجح

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اتفق الفقهاء على مشروعية التكبير في العيدين في الغدو إلى الصلاة، وفي إدبار الصلوات أيام الحج .

أما التكبير في الغدو إلى صلاة العيد :فقال أبو حنيفة :يندب التكبير سرا في عيد الفطر في الخروج إلى المصلى لحديث خير الذكر الخفي، وخير الرزق ما يكفي ، ويقطعه إذا انتهى إلى المصلى في رواية، وفي رواية :إلى الصلاة .

وقال الصاحبان :يكبر جهرا، واتفقوا على التكبير جهرا في عيد الأضحى في الطريق.

وقال الجمهور :يكبر في المنازل والمساجد والأسوق والطرق أي عند الغدو إلى الصلاة جهرا، إلى أن تبدأ الصلاة، وعند الحنابلة :إلى فراغ الخطبة،

وهو في الفطر آكد من تكبير ليلة الأضحى لقوله تعالى :(ولتكملوا العدة، ولتكبروا الله على ما هداكم، ولعلكم تشكرون)ولما فيه من إظهار شعائر الإسلام، وتذكير الغير.

ويندب التكبير المطلق (وهو ما لا يكون عقب الصلاة) عند الشافعية والحنابلة :من غروب شمس ليلة عيد الفطر، لا ما قبلها :ولا يسن التكبير المقيد (وهو المفعول عقب الصلاة) ليلة الفطر عند الحنابلة وفي الأصح عند الشافعية، لعدم وروده(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۲،ص۱۴۰۶و۱۴۰۷،القسم الأول :العبادات،الباب الثاني :الصلاة،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

وصيغة التكبير:

عند الحنفية والحنابلة شفعا :(الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر، الله أكبر (ثنتين)، ولله الحمد) عملا بخبر جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم الآتي، وهو قول الخليفتين الراشدين، وقول ابن مسعود.

وصيغته عند المالكية والشافعية في الجديد ثلاثا :(الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر)، وهذا هو الأحسن عند المالكية، فإن زاد (لا إله إلا الله، والله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد) فهو حسن، عملا بما ورد عن جابر وابن عباس رضي الله عنهم، ويستحب أن يزيد عند الشافعية بعد التكبيرة الثالثة : (الله أكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، وسبحان الله بكرة وأصيلا) كما قاله النبي صلى الله عليه وسلم على الصفا .ويسن أن يقول أيضا بعد هذا :(لا إله إلا الله ولا نعبد إلا إياه، مخلصين له الدين، ولو كره الكافرون، لا إله إلا الله وحده، صدق وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده، لا إله إلا الله والله أكبر .(وهذه الزيادة إن شاء ها عند الحنفية، ويختمها بقوله :(اللهم صل على محمد وعلى آل محمد، وعلى أصحاب محمد، وعلى أزواج محمد، وسلم تسليما كثيرا(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۲،ص۱۴۰۷،القسم الأول :العبادات،الباب الثاني :الصلاة،الفصل العاشر،المبحث الرابع)

یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن بھی عیدالاضحیٰ کی طرح جہراً تکبیر کہنا سنت ومستحب ہے۔ [1]

---

[1] وهو قول الصاحبين والطحاوى رحمهم الله.ويأتى الدلائل بهذا القول .
السنة فى الأضحى التكبير فى الطريق كما سيأتى فافهم(رد المحتار على الدر المختار، ج٢ص ١٦٩ ، كتاب الصلاة ،باب العيدين)
ومنها أن يغدو إلى المصلى جاهرا بالتكبير فى عيد الأضحى، فإذا انتهى إلى المصلى ترك؛ لما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يكبر فى الطريق .
وأما فى عيد الفطر فلا يجهر بالتكبير عند أبى حنيفة، وعند أبى يوسف ومحمد يجهر، وذكر الطحاوى أنه يجهر فى العيدين جميعا(بدائع الصنائع، ج ١ ص ٢٧٠، كتاب الصلاة، فصل بيان مايستحب فى يوم العيد)
قلت :هذا خلاف ما مر عنه آنفا أنه يكبر، وقال أبو جعفر :والذى عندنا أنه لا ينبغى أن يمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات، وقال :وبه نأخذ(البناية شرح الهداية،ج٣ص ١٠٤ ،كتاب الصلاة ،باب صلاة العيدين)
وقال الفقيه ابوجعفر :والذى عندنا انه لاينبغى ان تمنع العامة عن ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات ، وبه ناخذ ، يعنى انهم اذا منعوا عن الجهر به لايفعلونه سرا، فينقطعون عن الخير بخلاف العالم الذى يعلم ان الاسرار هو الافضل ، ثم قيل يقطع التكبير اذا انتهى الى المصلى سواء فى الفطر اى على القول بالجهر او الاضحى ، وقيل لايقطعه مالم يفتتح الصلاة (غنية المستملى فى شرح منية المصلى ، المعروف بشرح الكبير ص٥٦٧، صلاة العيد)
وبقولهما قالت الأئمة الثلاثة ، وهو قول على وأبى أمامة الباهلى وعمر بن عبد العزيز والنخعى وابن أبى ليلى وابن جبير وأبان بن عثمان والحكم وإسحاق وأبى ثور وحماد قال الطحاوى وبه نأخذ ، ثم ما أول وقت التكبير ؟ اختلف فيه فذهب سعيد بن المسيب وابن سلمة وعروة وزيد بن أسلم والشافعى إلى أن أول وقته إذا غربت الشمس ليلة العيد وقال جمهور الصحابة والتابعين والأئمة الثلاثة ابتداؤه عند الغدو إلى الصلاة لا قبلها واختاره النووى -والله سبحانه أعلم -قال الكمال الخلاف فى الجهر بالتكبير فى الفطر لا فى أصله ؛ لأنه داخل فى عموم ذكر الله تعالى فعندهما يجهر به كالأضحى وعنده لا يجهر وعن أبى حنيفة كقولهما ، وفى الخلاصة ما يفيد أن الخلاف فى أصل التكبير وليس بشيء إذ لا يمنع من ذكر الله تعالى بسائر الألفاظ فى شيء من الأوقات بل من إيقاعه على وجه البدعة فقال أبو حنيفة رفع الصوت بالذكر بدعة تخالف الأمر من قوله تعالى (واذكر ربك فى نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول)فيقتصر فيه على مورد الشرع وقد ورد به فى الأضحى ، وهو قوله تعالى (واذكروا الله فى أيام معدودات)جاء فى التفسير أن المراد التكبير فى هذه الأيام والأولى الاكتفاء فيه بالإجماع عليه اهـ .(قوله وقال أبو جعفر إلخ) يحتمل أن يراد بأبى جعفر هذا الإمام الطحاوى وأن يكون الفقيه الهندوانى إذ فى غاية السروجى قال الطحاوى والذى عندنا أنه لا ينبغى أن يمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات قال :وبه نأخذ ، وفى الفتاوى الظهيرية وعن الفقيه أبى جعفر أنه كان يقول سمعت أن مشايخنا كانوا يرون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل عید کی غیر معمولی تیاری بھی ایک مستقل رسم بن گئی ہے، اس میں ہر شخص دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، عید کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بلاشبہ خوشی کا دن بنایا ہے اور اتنی بات بھی شریعت سے ثابت ہے کہ اس روز جو بہتر سے بہتر لباس ہو وہ پہنے لیکن اس غرض کے لئے آج بیشمار فضول خرچیوں کو عید کا ضروری حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔

چنانچہ آج یہ بات ضروری سمجھ لی گئی ہے کہ کسی کے پاس گنجائش ہو یا نہ ہو مگر وہ ہر حال میں کسی نہ کسی طرح گھر کے ہر فرد کے لئے نئے جوڑے اور سر سے لے کر پاؤں تک کی ہر نئی سے نئی چیز کا انتظام کرے، بیوی بچوں کا ہر جائز و ناجائز مطالبہ پورا کرے، سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز نئی اور اچھی سے اچھی ہو اور دکان و مکان کی زیب و زینت بھی عمدہ سے عمدہ طریقے پر کرے، خواہ اس کی خاطر ناجائز ذریعۂ آمدنی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے، یا دوسروں سے قرض اور بھیک ہی کیوں نہ مانگنی پڑے۔ جس کی وجہ سے ایک درمیانی آمدنی والے شخص کے لئے عید کی تیاری ایک مستقل مصیبت اور مسئلہ بن چکی ہے۔

شریعت نے ہر مسلمان کو ہر موقع پر میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ اور فضول خرچی اور حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس لیے عید کی تیاری میں بے جا غلو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

التكبير فى الأسواق فى الأيام العشر ، وفى المجتبى وذكر أبو الليث أن إبراهيم بن يوسف كان يفتى بالتكبير فى الأسواق فى الأيام العشر قال الهندواني وعندى :لا ينبغى أن تمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم فى الخيرات وبه نأخذ هذا فى جمع التفاريق قيل لأبى حنيفة ينبغى لأهل الكوفة وغيرها أن يكبروا أيام التشريق فى الأسواق والمساجد قال نعم اهـ كذا نقلته من خط العلامة ابن أمير حاج(حاشية الشلبى على التبيين الحقائق، ج ا ص ۲۲۴، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مندوبات عيدالفطر)

(ضمیمہ)

لاک ڈاؤن میں نمازِ عید کا حکم

سوال:

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں خاص کرونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن کا سماں ہے، جس کی وجہ سے عید کی نماز کا بڑے مجامع اور مساجد میں ادا کرنا مشکل ہے، ایسی صورت میں عید کی نماز کا کیا طریق ہوگا؟

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ سعودی مفتی اعظم اور سعودی سائنٹیفک اینڈ ریسرچ کونسل کے سربراہ شیخ عبدالعزیز الشیخ نے کہا ہے کہ غیر معمولی حالات میں اور موجودہ عالمی وبا کی صورتحال میں عید کی نماز گھر پر ادا کرنا مناسب عمل ہے، اور عید کی نماز گھر پر ادا کی جاسکتی ہے جب کہ نماز اکیلے اور باجماعت بھی ادا کی جاسکتی ہے، اور اس طرح کے ماحول میں والدین اپنا زیادہ تر وقت گھروں میں اپنے بچوں کے ساتھ ہی گزاریں۔

کورونا وائرس کے باعث سعودی عرب می نماز تراویح بھی گھروں پر پڑھنے کی ہدایت کی گئی اور مسجد الحرام میں چند مخصوص افراد کو نمازِ تراویح کی اجازت دی گئی، جب کہ مساجد میں پنجگانہ نماز کی ادائیگی پر بھی پابندی ہے۔

اس کے علاوہ سعودی حکومت نے ملک میں کورونا کی وجہ سے عیدالفطر پر مکمل کرفیو کا اعلان کیا ہے۔

سعودی عرب کے علاوہ ترکی، شام، مصر اور الجزائر وغیرہ میں بھی نمازِ عید کے اجتماعات پر پابندی ہے۔

جبکہ ہمارے یہاں کے بعض اہلِ علم حضرات نے مسلمانوں کو ماہِ رمضان کے آخری عشرے

کے لمحات کو غنیمت جان کر عبادتوں اور دعاؤں کا خاص اہتمام کرنے اور مساجد کو جماعت کی نمازوں سے آباد کرنے اور جمعہ بے خوف وخطر، مگر احتیاطی تدابیر کے ساتھ مسجدوں میں ادا کرنے اور عید کی نماز بھی ممکنہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب دی ہے۔

لیکن تا حال اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے گزشتہ حکم نامہ کے برخلاف کوئی نیا حکم نامہ سامنے نہیں آ سکا۔

اور بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ لاک ڈاؤن اور کرفیوں والوں علاقوں میں بڑے مجامع کے بغیر گھروں وغیرہ میں چند لوگوں کو با جماعت عید کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔

آپ سے اس سلسلہ میں رہنمائی کی درخواست ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:

اس وقت مخصوص کرونا وائرس کی وجہ سے صرف ملکِ پاکستان ہی میں نہیں، دنیا بھر کے مختلف ممالک میں صورتِ حال اسی نوعیت کی ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کو جمعہ وعید کی نماز کو حسبِ معمول بڑے مجامع کے ساتھ اداء کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔

اور دنیا بھر میں لوگ چونکہ مختلف مسالک ومکاتبِ فکر سے وابستہ ہیں، اور وہاں مختلف مکاتبِ فکر کے اعتبار سے قوانین موجود ہیں، اس لیے ان کے مطابق عمل کرنے میں حرج نہیں۔

عید کے دن کو جمعہ کے دن کے ساتھ بعض چیزوں میں مشابہت حاصل ہے۔

لیکن عید کی نماز کا وہ درجہ نہیں، جو درجہ جمعہ کی نماز کا ہے، کیونکہ جمعہ کی نماز تو فرض ہے، اور اس کے فرض ہونے پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔

جبکہ عید کی نماز فرض نہیں، اور اس کے واجب ہونے، نہ ہونے میں بھی فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق عید کی نماز واجب ہے۔

اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک عید کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔
جبکہ حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز فرضِ کفایہ ہے۔ ل

ل صلاة العيدين واجبة على القول الصحيح المفتى به عند الحنفية -والمراد من الواجب عند الحنفية :أنه منزلة بين الفرض والسنة -ودليل ذلک :مواظبة النبى صلى الله عليه وسلم عليها من دون تركها ولو مرة، وأنه لا يصلى التطوع بجماعة -ما خلا قيام رمضان وكسوف الشمس وصلاة العيدين فإنها تؤدى بجماعة،فلو كانت سنة ولم تكن واجبة لاستثناها الشارع كما استثنى التراويح وصلاة الخسوف.

أما الشافعية والمالكية :فقد ذهبوا إلى القول بأنها سنة مؤكدة .ودليلهم على ذلک :قوله صلى الله عليه وسلم فى الحديث الصحيح للأعرابى -وكان قد ذكر له الرسول صلى الله عليه وسلم الصلوات الخمس فقال له :هل على غيرهن؟ قال لا، إلا أن تطوع.

قالوا :ولأنها صلاة ذات ركوع وسجود لم يشرع لها أذان فلم تجب بالشرع، كصلاة الضحى .

وذهب الحنابلة إلى القول بأنها فرض كفاية؛ لقوله تعالى :(فصل لربک وانحر) ولمداومة الرسول صلى الله عليه وسلم على فعلها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص٢٤٠، مادة ”صلاة العيدين“)

اختلف الفقهاء فى حكم صلاة العيد .فذهب المالكية والشافعية إلى أنها سنة مؤكدة، لحديث الأعرابى الذى ذكر له النبى صلى الله عليه وسلم الصلوات الخمس فقال :هل على غيرهن؟ قال : "لا، إلا أن تطوع وذلک مع فعل النبى صلى الله عليه وسلم لها ومداومته عليها.

وذهب الحنفية -على المفتى به عندهم -إلى أنها واجبة، لمواظبة النبى صلى الله عليه وسلم عليها من دون تركها ولو مرة؛ ولأنها تؤدى بجماعة، فلو كانت سنة ولم تكن واجبة لاستثناها الشارع، كما استثنى التراويح وصلاة الخسوف.

وذهب الحنابلة إلى أنها فرض كفاية لقوله تعالى :(فصل لربک وانحر) ولمداومة النبى صلى الله عليه وسلم على فعلها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣١، ص ١١٤، مادة ”عيد“)

يتردد حكم صلاة العيد بين آراء ثلاثة :كونها فرض كفاية، أو واجبا، أو سنة.

فقال الحنابلة فى ظاهر المذهب :صلاة العيد فرض كفاية، إذا قام بها من يكفى سقطت عن الباقين، أى كصلاة الجنازة، للآية السابقة (فصل لربک وانحر) وهى صلاة العيد فى المشهور فى السير، وكان النبى صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعده يداومون عليها، ولأنها من أعلام الدين الظاهرة، فكانت واجبة كالجهاد، ولم تجب عينا على كل مسلم، لحديث الأعرابى الآتى :إلا أن تطوع المقتضى نفى وجوب صلاة، سوى الخمس، وإنما وجب العيد بفعل النبى صلى الله عليه وسلم، ومن صلى معه.

فإن تركها أهل بلد يبلغون أربعين بلا عذر، قاتلهم الإمام كالأذان؛ لأنها من شعائر الإسلام الظاهرة، وفى تركها تهاون بالدين.

وقال الحنفية فى الأصح :تجب صلاة العيدين على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز واجب ہونے کی وہی شرائط ہیں، جو نمازِ جمعہ کی ہیں، سوائے خطبہ کے، کہ وہ عید کی نماز صحیح ہونے کے لیے ضروری نہیں، بلکہ سنت ہے۔

پھر حنفیہ کے مشہور قول اور عام ضابطہ وقاعدہ کے مطابق نمازِ عید کے لیے بھی امام سمیت کم از کم چار افراد کا ہونا شرط ہے، اس سے کم افراد ہونے کی صورت میں عید کی نماز ادا نہ ہوگی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ودليلهم على الوجوب :مواظبة النبی صلى الله عليه وسلم عليها.

وقال المالكية والشافعية :هی سنة مؤكدة تلی الوتر فی التأكيد، لمن تجب عليه الجمعة :وهو الذكر البالغ الحر المقيم ببلد الجمعة، أو النائی عنه كبعد فرسخ (5544م) منه، ولا تندب عند المالكية لصبی وامرأة وعبد ومسافر لم ينو إقامة تقطع حكم السفر، وندبت لغير المرأة الشابة، ولا تندب لحاج ولا لأهل منی، ولو غير حاجين.

وتشرع عند الشافعية للمنفرد كالجماعة، والعبد والمرأة والمسافر والخنثی والصغير، فلا تتوقف علی شروط الجمعة من اعتبار الجماعة والعدد وغيرهما .وهی أفضل فی حق غير الحاج بمنی من تركها بالإجماع.

ودليلهم علی سنيتها :قوله صلی الله عليه وسلم للأعرابی السائل عن الصلاة :خمس صلوات كتبهن الله تعالی علی عباده، قال له :هل علی غيرها؟ قال :لا، إلا أن تطوع وكونها مؤكدة : لمواظبته صلی الله عليه وسلم عليها(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج ٢، ص ١٣٨٨ القسم الأول : العبادات، الباب الثانی:الفصل العاشر:،المبحث الرابع ـ صلاة العيدين)

[1] أما بيان شرائط وجوبها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة فهو شرط وجوب صلاة العيدين من الإمام والمصر والجماعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة بإجماع الصحابة.وشرط الشیء يكون سابقا عليه أو مقارنا له (تحفة الفقهاء، ج ١، ص ١٦٦، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

والأحكام التی سبقت بالنسبة للعدد الذی تنعقد به الجماعة إنما هو فی غير الجمعة والعيد؛ إذ فيهما يختلف العدد -ولكل مذهب رأيه فی تحديد العدد، حسبما يستند إليه من أدلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ١٧٠، مادة"صلاة الجماعة")

(قوله وأقلها اثنان) لحديث اثنان فما فوقهما جماعة أخرجه السيوطی فی الجامع الصغير، ورمز لضعفه .قال فی البحر :لأنها مأخوذة من الاجتماع، وهما أقل ما تتحقق به، وهذا فی غير جمعة اهـ أی فإن أقلها فيها ثلاثة صالحون للإمامة سوی الإمام، مثلها العيد لقولهم :يشترط لها ما يشترط للجمعة صحة وأداء سوی الخطبة فافهم(رد المحتار علی الدر المختار، ج ١، ص ٥٥٣، كتاب الصلاة ،باب الإمامة)

تثنية عيد، وأصله عود قلبت الواو ياء لسكونها بعد كسرة اهـ ح .وفی الجوهرة مناسبته للجمعة ظاهرة وهو أنهما يؤديان بجمع عظيم ويجهر فيهما بالقراءة ويشترط لأحدهما ما يشترط للآخر سوی الخطبة، وتجب علی من تجب عليه الجمعة، وقدمت الجمعة للفرضية وكثرة وقوعها.

اهـ(رد المحتار ، ج ٢، ص ١٦٥، كتاب الصلاة،باب العيدين) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بعض حنفیہ نے عید کی نماز کے لئے جمعہ کے علاوہ دوسری عام نمازوں کی طرح صرف دوافراد کو بھی کافی قرار دیا ہے۔
اگر مخصوص مجبوری، مثلاً لاک ڈاؤن وغیرہ کے حالات میں، جبکہ چار افراد کا بھی اجتماع مشکل ہو، کوئی اس قول کے مطابق عمل کرلے، تو اس کی گنجائش ہے۔ [1]
جبکہ حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز فرض ہونے کے لئے جمعہ کی نماز کی طرح مستقل طور پر مقیم ہونا اور جمعہ کی نماز والی تعداد کے مطابق کم از کم چالیس افراد کا ہونا شرط ہے۔
اور مالکیہ کے نزدیک عید کی نماز کے سنتِ مؤکدہ ہونے کے لئے بھی مکمل طور پر انہی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جو نمازِ جمعہ کے واجب ہونے کی شرائط ہیں، البتہ ان کے نزدیک عورت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ قوله واشتراط الجماعة لها :أی لصلاة الجمعة وفیه أن الجماعة کما هی شرط لها شرط لصلاة العیدین .
قوله وكونها : بالجر عطف علی الجماعة أی واشتراط كون الجماعة ثلاثة سوی الإمام وفیه أن كونها ثلاثة سوی الإمام لیس شرطا خاصا بالجمعة بل كذلك صلاة العیدین .
قوله والخطبة :أی اشتراط الخطبة لها بخلاف صلاة العیدین فإن الخطبة لیست شرطا لها ولو اقتصر علی اشتراط الخطبة لها لكان صوابا وقد یقال المختص بها اشتراط المجموع لا كل واحد (غمز عیون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر، ج۴،ص ۶۲،القول فی أحكام یوم الجمعة)

[1] قلت :وفی إمامة البحر أن الجماعة فی العید تسن علی القول بسنیتها، وتجب علی القول بوجوبها .اهـ .وظاهره أنها غیر شرط علی القول بالسنیة لكن صرح بعده بأنها شرط لصحتها علی كل من القولین أی فتكون شرطا لصحة الإتیان بها علی وجه السنة وإلا كانت نفلا مطلقا تأمل لكن اعترض ط ما ذكره المصنف بأن الجمعة من شرائطها الجماعة التی هی جمع والواحد هنا مع الإمام كما فی النهر(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۱۶۶ ، كتاب الصلاة ،باب العیدین)
كما فی النهروفیه ان من شرائطها الجماعة التی هی جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فكیف یصح أن یقال:بشرائطها(حاشیة الطحطاوی علی الدر، ج ۱ ،ص ۳۵۱،باب العیدین)
وإذا لم یشترط السلطان أو نائبه فلا معنی لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، علی أنا قدمنا أن الإذن العام لم یذكر فی الظاهر .نعم بقی أن یقال :من شرائطها الجماعة التی هی جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فكیف یصح أن یقال :إن شروطه الجمعة(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ۱ ،ص ۳۷۳، كتاب الصلاة،باب صلاة العیدین)
قوله" :وشرائط الصحة "ظاهره أنه لا بد من الجماعة المذكورة فی الجمعة علی خلاف فیها ولیس كذلك فإن الواحد هنا مع الإمام جماعة فیكف یصح أن یقال بشرائطها(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۵۲۸، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

اور مسافر کو عید کی نماز پڑھنا مستحب ہے، ان کے ذمہ تاکیدی سنت نہیں۔
اور شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز ہر ایک مکلّف مسلمان کے حق میں سنتِ مؤکدہ ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، مقیم ہو یا مسافر ہو۔
جہاں تک عید کی نماز صحیح ہونے کی شرائط کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کی شرائط وہی ہیں، جو جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی شرائط ہیں۔
اور حنابلہ کے نزدیک فرضِ کفایہ درجہ میں، عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے عید کی نماز کا وقت ہونا اور جماعت کا ہونا شرط ہے۔
اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے وقت کے علاوہ مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز شرط نہیں، نہ تو جماعت کا ہونا شرط ہے، اور نہ ہی شہر وغیرہ کا ہونا شرط ہے۔
اگر عید کے دن لوگوں کو بڑے اجتماعات منعقد کرنے اور مساجد میں داخلے پر پابندی ہو، تو ان کو حسبِ موقع فقہائے کرام کے اقوال کے مطابق عمل کر لینا جائز ہے۔ [1]

---

[1] فی حکم صلاة العیدین ووقتهما تفصیل فی المذاهب، فانظره تحت الخط .
الشافعیة قالوا :هی سنة عین مؤکدة لکل من یؤمر بالصلاة، وتسن جماعة لغیر الحاج، أما الحجاج فتسن لهم فرادی.
المالکیة قالوا :هی سنة عین مؤکدة تلی الوتر فی التأکد، یخاطب بها کل من تلزمه الجمعة بشرط وقوعها جماعة مع الإمام، وتندب لمن فاتته معه، وحینئذ یقرأ فیها سراً، کما تندب لمن لم تلزمه، کالعبید والصبیان؛ ویستثنی من ذلک الحاج، فلا یخاطب بها لقیام وقوفه بالمشعر الحرام مقامها، نعم تندب لأهل "منی "غیر الحجاج وحداناً لا جماعة، لئلا یؤدی ذلک إلی صلاة الحجاج معهم.
الحنفیة قالوا :صلاة العیدین واجبة فی الأصح علی من تجب علیه الجمع بشرائطها، سواء کانت شرائط وجوب أو شرائط صحة، إلا أنه یستثنی من شرائط الصحة الخطبة، فإنها تکون قبل الصلاة فی الجمعة وبعدها فی العید، ویستثنی أیضاً عدد الجماعة، فإن الجماعة فی صلاة العید تتحقق بواحد مع إمام، بخلاف الجمعة، وکذا الجماعة فإنها واجبة فی العید یأثم بترکها، وإن صحت الصلاة بخلافها فی الجمعة، فإنها لا تصح إلا بالجماعة، وقد ذکرنا معنی الواجب عند الحنفیة فی "واجبات الصلاة "وغیرها، فارجع إلیه.
الحنابلة قالوا :صلاة العید فرض کفایة علی کل من تلزمه صلاة الجمعة، فلا تقام إلا حیث تقام الجمعة ما عدا الخطبة، فإنها سنة فی العید، بخلافها فی الجمعة، فإنها شرط، وقد تکون صلاة العید سنة، وذلک فیمن فاتته الصلاة مع الإمام، فإنه یسن له أن یصلیها فی أی وقت شاء بالصفة الآتیة(الفقه علی المذاهب الأربعة،للجزیری، ج ۱ ،ص ۳۱۳،مباحث صلاة العیدین،حکم صلاة العیدین، ووقتهما)

حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق جمعہ کی طرح امام کے علاوہ کم از کم تین افراد اور غیر مشہور قول کے مطابق، جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں جماعت کی طرح صرف دو افراد بھی عید کی نماز باجماعت اداء کر سکتے ہیں، جیسا کہ گزرا۔

اور موجودہ حالات میں اپنے گھروں وغیرہ کے اندر بھی عید کی نماز اداء کر سکتے ہیں، جس میں خواتین اور بچے اور گھر میں موجود مریض بھی شرکت کر سکتے ہیں، نمازِ عید اداء کرتے وقت گھر کے دروازے کھولنا بھی ضروری نہیں۔

اور عید کی نماز کو پڑھنے کا طریقہ وہی ہے، جو جمعہ کی نماز کو پڑھنے کا طریقہ ہے، سوائے اس کے کہ عید کی نماز میں زائد تکبیرات کہی جاتی ہیں، اور خطبہ بعد میں دیا جاتا ہے، جو کہ فرض نہیں، بلکہ سنت ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف فقہائے کرام کے اقوال پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں، اگر کسی کو جماعت کے ساتھ عید کی نماز نہ ملے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی قضاء نہیں، البتہ اگر چاہے تو بغیر جماعت کے چار رکعت نفل نماز عام طریقے کے مطابق پڑھ لینا چاہئے۔

اور حنابلہ کے نزدیک بھی اگر کسی کو جماعت نہ ملے، تو گھر میں پڑھ لینا جائز ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک جس کو جماعت سے عید کی نماز نہ ملے، تو وہ بغیر جماعت کے بھی پڑھ سکتا ہے، زوال سے پہلے پڑھے تو اداء ہے، زوال کے بعد قضاء ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک بھی جو جماعت کے ساتھ عید کی نماز نہ پڑھ سکے، تو زوال تک تنہا پڑھنا مستحب ہے۔ [1]

سعودی عرب میں چونکہ حنبلی فقہ عام طور پر رائج ہے، اور حنبلی فقہ میں عید کی نماز فرض علی

---

[1] الحنفية قالوا :الجماعة شرط لصحتها كالجمعة، فإن فاتته مع الإمام فلا يطالب بقضائها لا في الوقت ولا بعده، فإن أحب قضاء ها صلى أربع ركعات بدون تكبيرات الزوائد، يقرأ في الأولى بعد الفاتحة سورة "الأعلى"، وفي الثانية "الضحى "وفي الثالثة "الانشراح "وفي الرابعة "التين."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الکفایۃ ہے، اگر موجودہ حالات میں چند لوگ شہر میں کسی ایک جگہ عید کی نماز پڑھ لیں، اور باقی لوگ اپنے اپنے گھروں وغیرہ میں چار رکعات دو یا ایک سلام کے ساتھ پڑھ لیں، یا اپنے اپنے طور پر دو رکعتیں عید کی نماز کی طرح ہی پڑھ لیں، تو جائز، بلکہ مستحب ہے۔

اس اعتبار سے سعودی عرب کے مفتی صاحب مذکور کا فتویٰ ان کے مسلک کے مطابق درست ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحنابلة قالوا :الجماعة شرط لصحتها كالجمعة، إلا أنه يسن لمن فاتته مع الإمام أن يقضيها فى أى وقت شاء على صفتها المتقدمة.

الشافعية قالوا :الجماعة فيها سنة لغير الحاج، ويسن لمن فاتته مع الإمام أن يصليها على صفتها فى أى وقت شاء ، فإن كان فعله لها بعد الزوال فقضاء ، وإن كان قبله فأداء .

المالكية قالوا :الجماعة شرط لكونها سنة، فلا تكون صلاة العيدين سنة إلا لمن أراد إيقاعها فى الجماعة، ومن فاتته مع ندب الإمام له فعلها إلى الزوال، ولا تقضى بعد الزوال(الفقه على المذاهب الأربعة،للجزيرى، ج ا ،ص ٣١٦و٣١٧،مباحث صلاة العيدين،حكم الجماعة وقضائها إذا فات وقتها)

عَنْ مَسْرُوقٍ ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللهِ :مَنْ فَاتَهُ الْعِيدُ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا(مُصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ٥٨٥٠، كتاب الصلاة،باب الرجل تفوته الصلاة فى العيدين، كم يصلى؟)

ولكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى إن شاء؛ لأنها إذا فاتته لا يمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط فلو صلى مثل الضحى لنيل الثواب كان حسنا، وهو مروى عن ابن مسعود(البحرالرائق ، ج ٢ ص ١٧٥، كتاب الصلاة، باب العيدين)

روى عن ابن مسعود رضى اللّٰہ عنه انه قال من فاتته صلوة العيدصلى اربع ركعات يقرأفى الاولٰى سبح اسم ربك الاعلٰى وفى الثانيه والشمس وضحها وفى الثالثة والليل اذايغشى وفى الرابعه والضحى وروى فى ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعدا جميلاً وثواباً جزيلا (قاضى خان علٰى هامش الهندية ج ١ ص ١٨٤، كتاب الصلاة)

[1] مسألة؛ قال :(ومن فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات، كصلاة التطوع، وإن أحب فصل بسلام بين كل ركعتين) . وجملته أن من فاتته صلاة العيد فلا قضاء عليه؛ لأنها فرض كفاية، قام بها من حصلت الكفاية به، فإن أحب قضاء ها فهو مخير، إن شاء صلاها أربعا، إما بسلام واحد وإما بسلامين.

وروى هذا عن ابن مسعود، وهو قول الثورى؛ وذلك لما روى عبد الله بن مسعود، أنه قال :من فاته العيد فليصل أربعا، ومن فاتته الجمعة فليصل أربعا .وروى عن على -رضى الله عنه -أنه قال: إن أمرت رجلا أن يصلى بضعفة الناس، أمرته أن يصلى أربعا .رواهما سعيد .قال أحمد، -رحمه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے جو عید کی نماز کے لیے سخت شرائط کو لازم کیا جاتا ہے، اوران کے بغیر مجبوری میں بھی ان کو نمازِ عید سے محروم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، یہ کم علمی پر مبنی ہے۔

آگے موجودہ صورتِ حال میں عید کی نماز سے متعلق ہندوستان اور پاکستان کے دو دارالافتاؤں سے جاری ہونے والے فتاویٰ کو نقل کیا جاتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الله :-يقوى ذلک حديث علي، أنه أمر رجلا يصلي بضعفة الناس أربعا، ولا يخطب.
ولأنه قضاء صلاة عيد، فكان أربعا كصلاة الجمعة، وإن شاء أن يصلي ركعتين كصلاة التطوع.
وهذا قول الأوزاعي لأن ذلک تطوع .وإن شاء صلاها على صفة صلاة العيد بتكبير .نقل ذلک عن أحمد إسماعيل بن سعيد، واختاره الجوزجاني.
وهذا قول النخعي، ومالک، والشافعي، وأبي ثور وابن المنذر؛ لما روى عن أنس، أنه كان إذا لم يشهد العيد مع الإمام بالبصرة جمع أهله ومواليه، ثم قام عبد الله بن أبي عتبة مولاه فيصلي بهم ركعتين، يكبر فيهما .ولأنه قضاء صلاة، فكان على صفتها، كسائر الصلوات، وهو مخير، إن شاء صلاها وحده، وإن شاء في جماعة .قيل لأبي عبد الله :أين يصلي؟ قال :إن شاء مضى إلى المصلى، وإن شاء حيث شاء (المغني لابن قدامة، ج۲،ص ۲۸۹،باب صلاة العيدين،مسألة فاتته صلاة العيد)
(وإن فاتته الصلاة استحب أن يقضيها على صفتها وعنه يقضيها أربعاً وعنه أنه مخير بين ركعتين وأربع) وجملة ذلک أنه لا يجب قضاء صلاة العيد على من فاتته لأنها فرض كفاية وقد قام بها من حصلت به الكفاية وان أحب قضاء ها استحب له أن يقضيها على صفتها نقل ذلک عن أحمد اسماعيل بن سعيد واختاره الجوزجاني وهو قول النخعي ومالک والشافعي وأبي ثور لما روى عن أنس أنه كان إذا لم يشهد العيد مع الامام بالبصرة جمع أهله ومواليه ثم قام عبد الله بن أبي عتبة مولاه فيصلي بهم ركعتين يكبر فيهما ولأنها قضاء صلاة فكانت على صفتها كسائر الصلوات وهو مخير إن شاء صلاها في جماعة كما ذكرنا عن أنس وان شاء صلاها وحده وعنه أنه يقضيها أربعا اما بسلام واحد أو بسلامين وهو قول الثوری لما روى عن عبد الله بن مسعود أنه قال من فاته العيد فليصل أربعا.
وروى عن علي أنه قال إن أمرت رجلاً أن يصلي بضعفة الناس أمرته أن يصلي أربعاً رواهما سعيد ولأنه قضاء صلاة عيد فكانت أربعا كقضاء الجمعة، وعنه أنه مخير بين ركعتين وأربع وهذا قول الأوزاعي لأنها صلاة تطوع أشبهت صلاة الضحى(الشرح الكبير على متن المقنع، ج۲، ص ۲۵۰، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

دارُالعلوم دیوبند کا فتویٰ

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

حضرات مفتیانِ کرام، دارالافتاء دارُالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ملک میں جاری لاک ڈاؤن اور سماجی فاصلہ برقرار رکھنے کی ہدایت کے پیشِ نظر دارالافتاء کی طرف سے نمازِ جمعہ سے متعلق ہدایات حاصل کی گئی تھیں، اب جبکہ رمضانُ المبارک کا مہینہ قریبُ الختم ہے، اور ابھی لاک ڈاؤن کے سلسلہ میں کوئی صورتِ حال واضح نہیں ہے، اس لئے نمازِ عیدُ الفطر کے سلسلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اگر لاک ڈاؤن کا سلسلہ اسی طرح برقرار رہا، تو نمازِ عیدُ الفطر کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا۔ رہنمائی فرمائی جائے۔

والسلام

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۲/۹/۱۴۴۱ھ۔ ۱۶/۵/۲۰۲۰

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ العصمۃ والتوفیق، حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدین کی نماز احناف کے نزدیک اصح اور مفتی بہٖ قول کے مطابق واجب ہے، اور اس کے لئے وہی شرائط ہیں، جو جمعہ کے لئے ہیں، البتہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے، اور وہ نماز سے پہلے ہوتا ہے، اور عیدین میں خطبہ سنت ہے، اور وہ نماز کے بعد ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر عیدُ الفطر تک لاک ڈاؤن کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور مساجد وغیرہ

میں پانچ سے زائد لوگوں کو نماز کی اجازت نہیں ہوتی ہے، تو 6/ شعبان، سنہ 1441ھ (مطابق: یکم اپریل، سنہ 2020ء) کے فتوے (۶۸۱/ن، ۱۰۶/تتمہ/ن) میں جن شرائط وتفصیلات کے ساتھ مساجد میں اور گھروں کی بیٹھک یا باہری کمروں میں جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اُنہی کی رعایت کے ساتھ مساجد اور گھروں کی بیٹھک یا باہری کمروں میں نمازِ عید بھی ادا کی جائے۔ [1]

اور جن لوگوں کے لئے نمازِ عید کی کوئی صورت نہ بن سکے، عذر ومجبوری کی وجہ سے اُن سے نمازِ عید معاف ہوگی، لہٰذا انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

البتہ یہ حضرات اگر اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر 2یا4/ رکعت چاشت کی نماز پڑھ لیں، تو بہتر ہے، کیونکہ جنہیں عید کی نماز نہ مل سکے، اُن کے لئے فقہاء نے 2یا4/ رکعت چاشت کی مستحب قرار دی ہیں۔

فقط واللہ سبحانہٗ تعالیٰ أعلم

محمود حسن بلند شہری غفرلہٗ

دار العلوم دیوبند

۱۴۴۱/۹/۲۳ھ، الموافق ۲۰۲۰/۵/۱۷ء، یومُ الاحد

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
وقار علی غفرلہ	نعمان سیتاپوری غفرلہ	حبیبُ الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۳/ رمضان ۱۴۴۱ھ	۱۴۴۱/۹/۲۳ھ	۱۴۴۱/۹/۲۳ھ

---

[1] یہ فتاویٰ ادارہ غفران کی ویب سائٹ وغیرہ کے ذریعے، پہلے نشر کیے جاچکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

1۔عید کی نماز کا کیا حکم ہے؟

2۔اگر کسی ملک میں وبائی امراض، یا وائرس کے پیشِ نظر عید گاہ میں جانے سے منع کیا جائے، تو کیا عید کی نماز گھر یا گھر کی چھت، پارکنگ وغیرہ میں ادا کی جاسکتی ہے؟

جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں

مستفتی

عبدالمنان، کراچی

جواب

واضح رہے کہ عید کی نماز دین کے شعائر میں سے بنیادی شعار ہے۔[1]

اور عید کی نماز سے مقصود مسلمانوں کی شان وشوکت اور قوت کا اظہار ہے، یہی وجہ ہے کہ عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان ایک جماعت میں شریک ہوسکیں۔[2]

1۔صورتِ مسئولہ میں شہر، فنائے شہر اور بڑا گاؤں، جہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط پائی جاتی ہیں، وہاں عید کی نماز پڑھنا واجب ہے، تاہم جمعہ اور عید کی نماز کی شرائط میں فرق یہ ہے کہ جمعہ کے درست ہونے کے لئے خطبہ شرط ہے، جبکہ عید کی نماز کے لئے خطبہ شرط نہیں، سنت ہے۔[3]

اسی طرح عید کی نماز کے لئے اِذنِ عام کا ہونا بھی شرط نہیں۔ (4) ۱

جمعہ اور عید کی نمازوں کے لئے جماعت کا ہونا شرط ہے، انفرادی طور پر جمعہ یا عید کی نماز ادا کرنا درست نہیں، جماعت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، لیکن جمعہ اور عید کی جماعت کے لئے کتنے افراد ضروری ہیں، اس میں فرق ہے، جمعہ کی نماز درست ہونے کے لئے امام کے علاوہ تین بالغ مردوں کا ہونا ضروری ہے، اور عید کی نماز کے لئے امام کے علاوہ ایک بالغ مرد کا ہونا کافی ہے۔ (5) ۲

2۔ اگر کسی ملک میں وائرس، یا کسی وبائی مرض کی وجہ سے حکومت عیدگاہ یا مسجد میں عید کی نماز پڑھنے سے منع کرے، تو شہر، فنائے شہر یا بڑے گاؤں کے رہنے والے مسلمان کوشش کریں کہ وہ عید کی نماز، عیدگاہ میں یا مسجد میں پڑھیں۔

لیکن اگر کسی علاقے میں عید کی نماز عیدگاہ، یا مسجد میں پڑھنا ممکن نہ ہو تو کم از کم دو افراد گھر، گھر کی چھت، صحن یا بلڈنگ کی پارکنگ وغیرہ میں جمع ہو کر پڑھیں۔ ۳

عید کی نماز کا طریقہ:

عید کی نماز کے لیے اذان اور اقامت نہیں، جب نماز کھڑی کی جائے، تو عید کی

---

۱ بعض حنفیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن دیگر حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور انہوں نے عید کی نماز کے لیے بھی اذنِ عام کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن باضابطہ تعددِ عیدین کے موجودہ ماحول میں اذنِ عام شرط نہیں رہتا، جس کی تفصیل ہم جمعہ سے متعلق اپنے سابق مضامین میں بیان کر چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

۲ یہ بھی بعض حنفیہ کے بقول ہے، ورنہ دیگر حنفیہ نے جمعہ کی طرح عید کی نماز کے لیے بھی امام سمیت کم از کم چار افراد کو ضروری قرار دیا ہے، جیسا کہ دارُالعلوم دیوبند کے فتوے میں بھی گزرا۔ محمد رضوان خان۔

۳ چھت، صحن، یا بلڈنگ کی قید، سوال میں ان چیزوں کا ذکر ہونے کی وجہ سے ہے، اذنِ عام کی وجہ سے نہیں، کیونکہ اس کو تو عید کی نماز کے لیے مذکورہ فتوے میں ضروری قرار ہی نہیں دیا گیا، اور یہ قید مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے بھی نہیں، کیونکہ اس فتوے میں ساتھ ہی کم از کم دو افراد کے عید کی نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور ہمارے نزدیک اصل دارومدار لوگوں کے حالات اور قانونی وغیر قانونی پیچیدگیوں پر ہے۔

ممکن ہے کہ کسی کو نہ چھت میسر ہو، نہ صحن میسر ہو، اور نہ پارکنگ، تو اس کو اپنے حسبِ حال گھر کے کسی کمرہ میں بھی نمازِ عید کا اداء کرنا جائز ہوگا، جس کی مدلل تفصیل ہم اپنے جمعہ سے متعلق مضامین میں ذکر کر چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

نماز چھ زائد تکبیرات کے ساتھ پڑھنے کی نیت کرے، اس کے بعد تکبیر کہہ کر ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے، اور ثناء پڑھے، اس کے بعد تین زائد تکبیریں کہے، دو تکبیروں میں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دے، اور تیسری تکبیر پر ہاتھ اُٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لے، اس کے بعد امام اونچی آواز میں قراء ت کرے، قرائت مکمل ہونے کے بعد بقیہ رکعت (رکوع اور سجدہ وغیرہ) دیگر نمازوں کی طرح ادا کرے۔

پھر دوسری رکعت کے شروع میں امام اونچی آواز میں قراء ت کرے، اس کے بعد تین زائد تکبیریں کہے، تینوں تکبیروں میں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دے، پھر ہاتھ اُٹھائے بغیر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے، اور پھر دیگر نمازوں کی طرح دوسجدوں کے بعد التحیات، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر نماز مکمل کرنے کے بعد امام دو خطبے دے، دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھے۔ (6) [1]

حوالہ جات

(1) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (84/3)

ولأنها من شعائر الإسلام فلو كانت سنة فربما اجتمع الناس على تركها فيفوت ما هو من شعائر الإسلام فكانت واجبة صيانة لما هو من شعائر الإسلام عن الفوت.

(2) صحيح البخاری (22/2)ط: دار الشعب

عن أبی سعید الخدری، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شیء يبدأ به الصلاة، ثم ينصرف.

فتح الباری (450/2)

واستدل به على استحباب الخروج إلى الصحراء لصلاة العيد وأن ذلک أفضل من صلاتها فی المسجد لمواظبة النبی صلى الله عليه وسلم على ذلک مع فضل مسجده.

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (169/2)

وفی الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلی فی المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين فی موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم

[1] یہ طریقہ حنفیہ کے مطابق ہے، دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تکبیراتِ عیدین کی تعداد مختلف ہے، جس کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

يستخلف فله ذلك .اهـ .نوح.

الفتاوى الهندية (150/1)

الخروج إلى الجبانة فى صلاة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ وهو الصحيح، هكذا فى المضمرات.

(3) بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع (85/3)

وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة.

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (166/2)

(تجب صلاتهما) فى الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها.

وفى الرد: (قوله فإنها سنة بعدها) بيان للفرق وهو أنها فيها سنة لا شرط وأنها بعدها لا قبلها بخلاف الجمعة .قال فى البحر: حتى لو لم يخطب أصلا صح وأساء لترك السنة ولو قدمها على الصلاة صحت وأساء ولا تعاد الصلاة.

بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع (89/3)

وأما الخطبة فليست بشرط؛ لأنها تؤدى بعد الصلاة وشرط الشيء يكون سابقا عليه أو مقارنا له، والدليل على أنها تؤدى بعد الصلاة ما روى عن ابن عمر أنه قال: صليت خلف رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وخلف أبى بكر وعمر – رضى الله عنهما – وكانوا يبدئون بالصلاة قبل الخطبة وكذا روى عن ابن عباس – رضى الله عنهما – أنه قال: صليت خلف رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وخلف أبى بكر وعمر وعثمان فبدئوا بالصلاة قبل الخطبة ولم يؤذنوا ولم يقيموا ولأنها وجبت لتعليم ما يجب إقامته يوم العيد والوعظ والتكبير فكان التأخير أولى ليكون الامتثال أقرب إلى زمان التعليم.

(4) النهر الفائق شرح كنز الدقائق (373/1) ط: دار الكتب العلمية

وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر.

(5) النهر الفائق شرح كنز الدقائق (373/1) ط: دار الكتب العلمية

نعم بقى أن يقال: من شرائطها الجماعة التى هى جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فكيف يصح أن يقال: إن شروطه الجمعة.

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (166/2)

(تجب صلاتهما) فى الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها.

وفى الرد: لكن اعترض ط ما ذكره المصنف بأن الجمعة من شرائطها الجماعة التى هى جمع والواحد هنا مع الإمام كما فى النهر.

الفقه على المذاهب الاربعة (531/1)

الحنفية قالوا: صلاة العيدين واجبة في الأصح على من تجب عليه الجمع بشرائطها، سواء كانت شرائط وجوب أو شرائط صحة، إلا أنه يستثنى من شرائط الصحة الخطبة، فإنها تكون قبل الصلاة في الجمعة وبعدها في العيد، ويستثنى أيضاً عدد الجماعة، فإن الجماعة في صلاة العيد تتحقق بواحد مع إمام، بخلاف الجمعة.

(6) الفتاوى الهندية (150/1)

ويصلي الإمام ركعتين فيكبر تكبيرة الافتتاح ثم يستفتح ثم يكبر ثلاثا ثم يقرأ جهرا ثم يكبر تكبيرة الركوع فإذا قام إلى الثانية قرأ ثم كبر ثلاثا وركع بالرابعة فتكون التكبيرات الزوائد ستا ثلاثا في الأولى وثلاثا في الأخرى، وثلاث أصليات تكبيرة الافتتاح وتكبيرتان للركوع فيكبر في الركعتين تسع تكبيرات ويوالي بين القرائتين وهذه رواية ابن مسعود بها أخذ أصحابنا، كذا في محيط السرخسي.

ويرفع يديه في الزوائد ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات، كذا في التبيين وبه أفتى مشايخنا، كذا في الغياثية ويرسل اليدين بين التكبيرتين ولا يضع هكذا في الظهيرية.

ثم يخطب بعد الصلاة خطبتين، كذا في الجوهرة النيرة، ويجلس بينهما جلسة خفيفة، كذا في فتاوى قاضي خان، وإذا صعد المنبر لا يجلس عندنا، كذا في العيني شرح الهداية، ويخطب في عيد الفطر بالتكبير والتسبيح والتهليل والتحميد والصلاة على النبي – صلى الله عليه وسلم –، كذا في التتارخانية.

فقط واللّٰہ أعلم

کتبہٗ

محمد عمران ممتاز

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

24 رمضان المبارک 1441ھ۔18 مئی 2020ء

الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد شفیق عارف	محمد انعام الحق
۲۴/۹/۱۴۴۱ھ	۲۴/۹/۱۴۴۱ھ

موجودہ دور کے بعض اصحابِ علم کا فرمانا یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک، جمعہ وعیدین کی نماز کے

گھروں وغیرہ میں پڑھنے کی گنجائش نہیں، اور وہ اس سلسلے میں اذنِ عام یا اذنِ حاکم وغیرہ کے مسئلے کو بنیاد بناتے ہیں، مگر ہمیں ان کی باتوں سے اتفاق نہیں، جس کے باحوالہ تفصیلی دلائل کے لیے ہمارے درجِ ذیل رسائل کی طرف رجوع فرمائیں۔

(1)...... بروز جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق

(2)...... جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق

(3)......تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

یہ تینوں رسائل ادارہ غفران کی ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شریعتِ مطہرہ کے بیان کردہ احکام ہر زمانے اور ہر حالت میں قابلِ عمل اور سہل ہیں، اور فقہائے کرام و مجتہدینِ عظام کا فقہی و اجتہادی مسائل میں اختلاف رحمت ہے، زحمت نہیں۔

اور موجودہ مخصوص مجبوری اور کرفیو، یا لاک ڈاؤن کے حالات میں فقہائے کرام کی طرف سے بیان کردہ سہولت کے مطابق لوگوں کو عید کی نماز اداء کرنے کی گنجائش نہ دینا، اور ان کو عید کی نماز سے محروم کرنے کا حکم صادر کر دینا، مناسب طریقہ نہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

27/ رمضانُ المبارک/ 1441ھ 21/ مئی/ 2020 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان